دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور
دار العلوم حقانیہ
اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ
ماہنامہ
الحق
بیاد: شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ بانی دار العلوم حقانیہ
مدیر: مولانا سمیع الحق
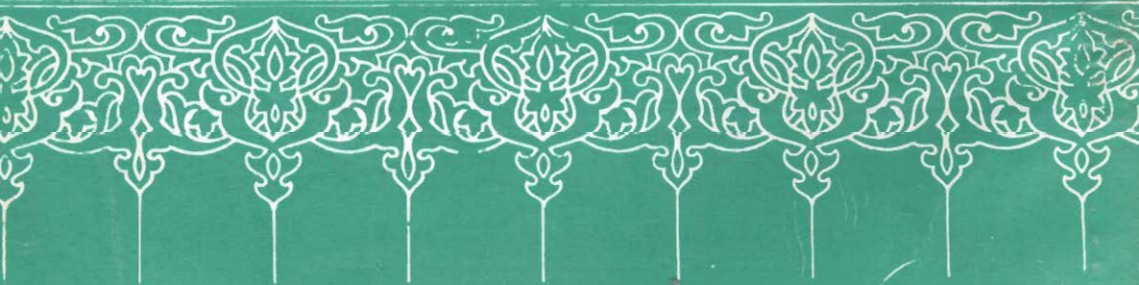
مطبوعاتِ مؤتمر المصنفین

نام کتاب		مصنف	صفحات	قیمت
۱۔ حقائق السنن شرح جامع السنن للترمذی مجلد ترتیب و تحشیہ: مولانا عبد القیوم حقانی	افادات	شیخ الحدیث مولانا عبد الحق	۵۳۶ صفحات	۱۲۵ روپے
۲۔ دعوات حق مکمل دو جلد (مجلد) ضبط و تحریر: مولانا سمیع الحق	〃	〃 〃	۱۱۹۲	۱۲۰ روپے
۳۔ قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ مرتب: مولانا سمیع الحق	〃	〃 〃	۴۰۰	۴۵ روپے
۴۔ عبادات و عبدیت مرتب: مولانا سمیع الحق	〃	〃 〃	۸۸	۸ روپے
۵۔ مسئلہ خلافت و شہادت مرتب: مولانا سمیع الحق	〃	〃 〃	۱۰۴	۱۰ روپے
۶۔ صحبتے با اہل حق (مجلد) ضبط و ترتیب مولانا عبد القیوم حقانی	〃	〃 〃	۴۰۸	۷۵ روپے
۷۔ اسلام اور عصر حاضر مجلد	تصنیف	مولانا سمیع الحق	۴۶۰	۹۰ روپے
۸۔ قرآن حکیم اور تعمیر اخلاق	〃	〃 〃	۹۶	۷ روپے
۹۔ کاروان آخرت مجلد		〃 〃	۴۴۶	۷۵ روپے
۱۰۔ شیخ الحدیث مولانا عبد الحق نمبر ماہنامہ (خصوصی نمبر)	〃	〃 〃		
۱۱۔ قادیانیت اور ملت اسلامیہ کا موقف	〃	〃 〃	۲۰۸	۳۵ روپے
۱۲۔ قادیان سے اسرائیل تک	〃	〃 〃	۲۲۴	۳۵ روپے
۱۳۔ قومی اور ملی مسائل پر جمعیۃ کا موقف	〃	〃 〃	—	—
۱۴۔ میری علمی اور مطالعاتی زندگی مجلد	〃	〃 〃	-	—
۱۵۔ روسی الحاد	〃	〃 〃	۲۰۰	۴۵ روپے
۱۶۔ دفاع امام ابو حنیفہؒ (مجلد)	〃	مولانا عبد القیوم حقانی	۳۵۲	۶۰ روپے
۱۷۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے حیرت انگیز واقعات مجلد	〃	〃 〃	۲۷۲	۵۶ روپے
۱۸۔ علماء احناف کے حیرت انگیز واقعات امام ابو یوسف۔ امام محمد جلد دوم	〃	〃 〃	۲۷۲	۵۶ روپے

نام کتاب		مصنف	صفحات	قیمت
۱۹۔ ارباب علم و کمال اور پیشہ رزق حلال (مجلد)	تصنیف	مولانا عبد القیوم حقانی	۲۳۲ صفحات	۵۶ روپے
۲۰۔ امام اعظمؒ کا نظریہ انقلاب و سیاست	〃	〃 〃	۶۴	۷ روپے
۲۱۔ خطبات حقانی (جلد اول)	〃	〃 〃	۱۲۵	۱۸ روپے
۲۲۔ کتابت اور تدوین حدیث	〃	〃 〃	۴۸	۷ روپے
۲۳۔ عہد حاضر کا چیلنج اور امت مسلمہ کے فرائض (مجلد)	〃	〃 〃	—	——
۲۴۔ مرد مومن کا مقام اور ذمہ داریاں	〃	〃	[illegible]	۵ روپے
۲۵۔ ساعتے با اولیاء (مجلد)	〃	〃		—
۲۶۔ د امام اعظم حیرانکونکی واقعات (پشتو)	〃	〃 〃	- -	——
۲۷۔ کشکول معرفت	〃	〃 〃	۱۱۲	۲۴ روپے
۲۸۔ الحاوی علیٰ مشکلات الطحاوی	〃	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ	۲۲۴	۳۵ روپے
۲۹۔ منهاج السنن شرح جامع السنن (عربی) چار جلد	〃	شیخ الحدیث مفتی محمد فرید	-	۱۲۰ روپے
۳۰۔ برکۃ المغازی	〃	شیخ الحدیث مولانا محمد حسن جان	-	—
۳۱۔ اللہ کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ باتیں	افادات	شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ	۲۴	۵ روپے
۳۲۔ ارشادات حکیم الاسلامؒ	〃	مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ	-	۷ روپے
۳۳۔ عقیقہ کی شرعی حیثیت	تصنیف	مولانا مفتی غلام الرحمن	۹۶	۱۳ روپے
۳۴۔ دارالعلوم حقانیہ سے جامعہ ازہر تک	〃	〃 〃	۱۴۴	۲۴ روپے
۳۵۔ دفاع ابو ہریرہؓ	〃	〃 〃	—	.
۳۶۔ افادات حلیم	〃	مولانا محمد ابراہیم فانی	۵۶	۶ روپے
۳۷۔ حیات صدر المدرسین (مولانا عبد الحلیم زروبوی)	〃	〃 〃	۵۱۲	۱۲۰ روپے
۳۸۔ فضائل و مسائل جمعہ	〃	مولانا امین الحق گستوی حقانی	۹۶	۲۴ روپے

مکمل سیٹ منگوانے پر خصوصی رعایت

مؤتمر المصنفین ○ دارالعلوم حقانیہ ○ اکوڑہ خٹک ○ پشاور

اس شمارے کے مضامین

پاکستان میں سالانہ -/۱۰۰ روپے فی پرچہ -/۱۰ روپے بیرون ملک بحری ڈاک -/۱۶ پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک -/۲۰ پونڈ
سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

نقشِ آغاز

- روسی نظام کے انہدام کی طرح نیو ورلڈ آرڈر بھی اپنے انجام کو پہنچے گا۔
- امریکہ! غور سے سن لے مسلمان جہاد کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔
- قومی وملکی حالات کا بے لاگ تجزیہ اور بصیرۃ افروز تبصرہ

مورخہ ۲۹/اپریل کو ایوان بالا سینٹ کے چیئرمین جناب وسیم سجاد صاحب سینٹ اور قومی اسمبلی کے اراکان پر مشتمل ایک نمائندہ وفد کے ساتھ دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے جمعہ کا روز تھا۔ انہوں نے نماز جمعہ جامع مسجد دارالعلوم میں مولانا سمیع الحق کی اقتداء میں ادا کی اس موقع پر مولانا سمیع الحق مدظلہ نے مختصر خطاب فرمایا اور سینٹ کے چیئرمین نے مختصر جوابی تقریر بھی کی۔ مولانا سمیع الحق کی تقریر پارلیمنٹ کے نمائندہ وفد کے حوالے سے براہِ راست حکمرانوں اور سیاستدان سے مخاطبت تھی قومی وملکی حالات کا تجزیہ انگریز کے فرسودہ نظام کی تباہ کاریاں عالمی سیاست کا اتار چڑھاؤ، حکومت اور سیاسی قیادت کے فرائض، امت مسلمہ کی حالت زار اور نشاۃ ثانیہ کیلئے نشان راہ، سنٹرل ایشیا کی نوآزاد مسلم ریاستوں میں دینی تعلیمات کے فروغ کے لیے دارالعلوم حقانیہ کا کردار اور مسلم امہ کے لیے ممکنہ لائحہ عمل، آزاد کشمیر، بوسنیا، افغانستان کی حالت زار روسی نظام کے انہدام کے بعد امریکی نیو ورلڈ آرڈر کی تلوار اس کی چیرہ دستیاں اور انجام اور اس نوعیت کے کئی ایک عنوانات پر ہمہ پہلو حاوی ایک بے لاگ تجزیہ و تبصرہ ہے جو بہی خواہانِ ملت اور مملکت کے ارباب بست وکشاد کے لیے نورِ بصیرت ہے بطور نقش آغاز کے پیش خدمت ہے۔ (عبدالقیوم حقانی)

ہماری خوش قسمتی ہے کہ آج پاکستان کے ایوان بالا جمہوری ادارہ سینٹ کے چیئرمین جناب وسیم سجاد ڈپٹی چیئرمین جناب میر عبدالجبار خان اپنے رفقاء واراکین پارلیمنٹ جناب محمود خان اچکزئی جناب اجمل خان خٹک

جناب نواب محمد ایاز خان جوگیزئی جناب اعظم ہوتی جناب حمید خان اچکزئی کے ہمراہ دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے، ان حضرات کی یہ خواہش تھی کہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے اساتذہ ومشائخ اور طلبہ سے ملاقات کریں چنانچہ آج انہوں نے یہاں نمازِ جمعہ پڑھنے اور یہاں کے طلبہ واساتذہ سے ملاقات اور دارالعلوم کا معائنہ کرنے کا پروگرام بنایا۔ جامعہ حقانیہ کو ملک بھر میں ایک علمی ودینی مقام اور مرکزیت حاصل ہے۔ بحمداللہ آج ملت مسلمہ کا ایک علمی سرمایہ ہے ملک بھر کے تمام علاقوں میں اس کے فضلاء خدمتِ علم ودین میں مصروف ہیں جناب اچکزئی صاحب جناب جوگیزئی صاحب اور جناب ڈپٹی چیئرمین صاحب، بلوچستان سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ حضرات بھی خوب جانتے ہیں کہ آج بلوچستان کے اضلاع اور وہاں کے دور دراز کے پہاڑی علاقوں میں اگر علماء ملیں گے تو وہ زیادہ تر دارالعلوم حقانیہ ہی کے فضلاء ہوں گے اس لیے بلوچستان کے ان قائدین کو بھی دارالعلوم دیکھنے کی دیرینہ تمنا تھی پھر گذشتہ ۴۰، ۵۰ سال سے افغانستان کے طلبہ بھی یہاں پڑھتے رہے اور خدا کا فضل ہے کہ گذشتہ جہاد میں محاذ جنگ کی قیادت دارالعلوم ہی کے فضلاء کے ہاتھ میں رہی صرف جہاد ہی نہیں افغانستان کے تمام صوبوں میں اب جو دینی مدارس، تعلیم وتدریس کا سلسلہ جاری ہے یا جہاد سے قبل مراکز قائم تھے وہ بھی دارالعلوم ہی کا فیضان ہے۔

وسطی ایشیاء کی نوآزاد مسلم ریاستوں میں بھی دارالعلوم حقانیہ نے اپنا تعلیمی تبلیغی اور تحریکی کام شروع کردیا ہے۔ خدا کا فضل ہے کہ آج دارالعلوم کے احاطہ، ماوراء النہر میں سو سے زائد طلبہ وسطی ایشیاء کی نوآزاد مسلم ریاستوں ازبکستان اور تاجکستان وغیرہ سے تعلق رکھنے والے زیر تعلیم ہیں اور اُن کو اُن ہی کی زبان میں پڑھایا جاتا ہے سنٹرل ایشیاء کے مزید ۵۰۰ سے زائد طلبہ اس کے منتظر ہیں کہ انہیں پاکستان لاکر دارالعلوم حقانیہ میں تعلیم دلائی جاتے۔

ابھی تین ہفتے قبل دارالعلوم حقانیہ میں امام حرم تشریف لائے تھے یہاں پر انہوں نے ماسکو کے ایک طالب علم سے قرآن سنا تو اُن کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ یہ اسلام کا معجزہ ہے کہ وہاں پر مسلمان ڈیڑھ سو سال تک غلام رہ کر، مقید اور محبوس رہ کر اسلام کی حفاظت کرتے رہے، ان میں آج بھی سچی طلب، تڑپ، جذبہ اور ولولہ موجود ہے ان کی اسلام کے ساتھ وارفتگی، تعلق، محبت اور شیفتگی کا جو تعلق ہے اور جو کیفیت ہے وہ ہم سے مختلف اور بدرجہا بہتر ہے وہاں کے طلبا جب یہاں آتے ہیں تو کوٹ پتلون، مغربی تہذیب اور مغربی لباس میں ملبوس ہوتے ہیں مگر چند روز میں اُن کی زندگی بدل جاتی ہے بلا کا حافظہ ہے غضب کا شوقِ علم ومطالعہ ہے یہاں چند روز قیام کے بعد اُن کے چہروں پر نورانیت اور برکات ظاہر ہونے لگتے ہیں۔

بہرحال میں عرض کر رہا تھا کہ دارالعلوم حقانیہ پر خدا کا فضل ہے آپ حضرات جو دارالعلوم میں تشریف لاتے

ہیں میں تہہ دل سے آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں آپ ایوان بالا کے فائزین پارلیمنٹ کی مؤثر قوت ہیں قومی اسمبلی کے ممبر ہیں اور تجربہ کار پارلیمینٹیرین ہیں اللہ نے آپ کو موقع دیا ہے آپ پارلیمنٹ کے ہر دو ایوانوں میں ہماری تبلیغ اور آواز اور پیغام پہنچا سکتے ہیں۔

دنیا کے نقشے بدل رہے ہیں روسی نظام درہم برہم ہوگیا امریکی نیو ورلڈ آرڈر خود اپنے ہاتھوں تباہ ہوگا لہٰذا ہمارے ملک کے سارے مسائل کا حل صرف اور صرف رجوع الی اللہ میں ہے قرآن اور اسلامی نظام کے نفاذ میں منحصر ہے ـــــ ہم نے پاکستان میں ۴۵ سال سے کوئی نیا نظام نہیں اپنایا اور نہ آزمایا ہم انگریز کے دیئے ہوئے اسی استحصالی نظام کے نفاذ میں لکیر کے فقیر بنے رہے جس کا ثمرہ لوٹ کھسوٹ ہے ظلم و تشدد ہے جھوٹ اور فریب ہے جس میں نہ تو صحیح جمہوریت ہے اور نہ عدل و انصاف نام کا کوئی وجود، اس لیئے ہم آج تک ملک کو بحران سے نہ نکال سکے اسی انگریزی نظام ہی کی برکتیں ہیں کہ ملک میں بحران پہ بحران آرہا ہے جب ہم انگریزی نظام کہتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ انگریزی نظام جو اس وقت وہاں برطانیہ یا امریکہ میں رائج ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ ہمارے لیے انگریز کا بنایا ہوا ظالمانہ اور وحشیانہ نظام جو وہ ہمیں دے کر چلا گیا ہے ورنہ اب انگریزوں کے ہاں مروجہ نظام میں ظلم و ستم وحشت گردی اور اندھیر نگری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اپنے لیے اور اپنی قوم کے لیے جمہوریت کے بھی قائل ہیں، بنیادی حقوق کے بھی، عدل و انصاف کے بھی، ان کے ہاں بوڑھوں کے بھی حقوق ہیں بے روزگاروں اور بچوں کے بھی اور حیوانوں اور کتوں کے بھی ـــ مگر ہمارے ملک کو ایام غلامی کا جیلخانہ تصور کرتے ہوئے غلام قیدیوں کے لیے انہوں نے جو قواعد اور نظام وضع کیا تھا ہم آج بھی ظلم کی انہی چکیوں میں پس رہے ہیں انہوں نے ہم پر اپنے جو کاسہ لیس اور پٹھو مقرر کیے وہی آج تک حکومت کرتے چلے آرہے ہیں آپ دیگر ممالک پر نظر ڈالیں۔ اسرائیل کا اپنا نظام ہے، چین نے اپنا نظام بنایا، بھارت نے اپنا نظام قائم کیا مگر یہاں پر انگریز کی معنوی اولاد نے مکمل نظام کی تبدیلی تو کجا، کسی ایک شعبہ میں بھی تبدیلی نہیں آنے دی ہم آج بھی ۱۸۶۰ء اور ۱۸۷۵ء کے قوانین سے چمٹے ہوئے ہیں ہمیں نظریہ پاکستان کی قدر کرنی چاہیئے تھی، ہمیں اپنے نظریاتی اساس کا تحفظ کرنا چاہیئے تھا۔ آج ہمارے سروں پر نیو ورلڈ آرڈر کی تلوار لٹک رہی ہے دشمن سب ایک اور متحد ہیں۔ چین، بھارت، روس، اسرائیل اور امریکہ سب عالم اسلام کے مقابلہ میں ایک ہیں۔ الجزائر، مصر، سعودی عرب، کشمیر، افغانستان، پاکستان، سب ان کی مطلوبہ سیاست کا ٹارگٹ اور مفادات کا ہدف ہیں وہ سب یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان اکٹھے نہ ہوں۔ پہلے کمیونزم سے مقابلہ تھا۔ امریکہ اس سے لڑتا رہا جب ایک صدی میں اس کی حقیقت اور اصل روپ نکھر کر سامنے آیا تو وہ ہاتھ دھو کر اسلام کے پیچھے پڑ گیا بنیاد پرستی اور دہشت گردی کا ہوا کھڑا کرکے

مسلمانوں کو وحشی باور کرانے کی تحریک چلاتی اگر جہاد کا نام دہشت گردی ہے اگر آزادی اور حقوق کے حصول کا نام دہشت گردی ہے تو یاد رہے کہ یہ اسلام کے ساتھ لازم اور ملزوم ہیں امریکہ غور سے سن لے کہ مسلمان بغیر جہاد کے زندہ نہیں رہ سکتے ۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا " ذروۃ سنامہا الجہاد" اونٹ کا تشخص اور انفرادیت کوہان ہے، ملت اسلامیہ کا استحکام، تشخص اور پہچان جہاد سے ہے امریکہ پر جہاد کی قوت ظاہر ہو چکی ہے، اسی جہاد کی برکت سے مسلمان پھر اکٹھے ہوں گے روس کی طرح امریکہ بھی تہس نہس ہوگا ۔ مگر آج بدقسمتی سے ہماری سیاست بالعکس جارہی ہے ہمارے حکمران کیا سوچ رہے ہیں، حکمران ہوں یا سیاست دان سب ایک سے ایک بڑھ کر امریکہ کو خوش کرتے میں لگے ہوئے ہیں ایٹمی پلانٹ کا مسئلہ ہو یا اسلامائیزیشن کا عمل، کشمیر کا مسئلہ ہو یا ملک میں کسی بھی تعمیری کام کا مسئلہ، جب تک امریکہ بہادر کے حضور سجدہ نہ کیا جائے اور وہاں سے اجازت نہ مل جائے قدم نہیں اٹھایا جاتا ۔

بہرحال میری گزارشات معزز مہمانوں سے یہی ہیں کہ اللہ نے آپ کو ایک مقام دیا ہے، آپ پارلیمنٹ کا ایک نمائندہ وفد ہیں ۔ سینیٹ نے گزشتہ نو دس سال سے بحرانوں میں جس طرح پاکستان کی رہنمائی کی ہے وہ ایک تاریخی ریکارڈ ہے آپ پاکستان میں نظام اسلام کے نفاذ میں بھی بنیادی اور مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں جب یہاں امن قائم ہوگا اسلامی نظام نافذ ہوگا تو افغانستان سمیت سنٹرل ایشیا کی وسطی ریاستوں تک اس کے علمی و روحانی اور مادی و سیاسی اثرات پہنچے گے اور امت کے اتحاد، غلبہ اور یکجہتی کی فضا بنے گی اور کیا خبر! کہ پاکستان کو اس میں سبقت و اولیت کا شرف حاصل ہو ۔

جناب وسیم سجاد چیئرمین سینیٹ کا خطاب

میں اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ مجھے ایک بار پھر یہ موقع ملا کہ میں جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں حضرت مولانا سمیع الحق کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں مجھے یہاں حاضری کی سعادت پہلے بھی دو مرتبہ حاصل ہو چکی ہے میں جب بھی یہاں حاضر ہوا میں نے دیکھا کہ بحمد اللہ دین کی خدمت خوب ہو رہی ہے علم پڑھایا جا رہا ہے شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ؒ نے خلوص اور جانفشانی کے ساتھ اس دارالعلوم کو ترقی دی، ان کی عزت شخصیت عظمت اور کمال کی ایک دنیا معترف ہے صرف پاک و ہند ہی نہیں بلکہ تمام مسلم ممالک میں اگر بلند ترین علمی اور دینی مقام کسی شخصیت کو حاصل ہو سکتا ہے اور جس کا تصور ممکن ہے تو وہ مولانا عبدالحق ؒ کو حاصل تھا اسی طرح مولانا مرحوم کے جانشین مولانا سمیع الحق نے بھی اپنے عظیم والد کی روایات کو قائم رکھتے ہوئے پیغام کو آگے بڑھانے کی کوشش کی اور اس میں وہ سرخرو اور کامیاب رہے ہم ان کی دینی خدمات کے شکر گزار

ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ان کو مزید دینی و قومی خدمات کے بہترین مواقع عطا فرمادے۔

مولانا سمیع الحق صاحب نے اپنی تقریر میں ملک کے جمہوری اداروں کا ذکر کیا اس میں شک نہیں کہ قوم و ملک کی ترقی استحکام اور خوشحالی کے لیے ہم سب لوگ مقدور بھر کوشش کر رہے ہیں مجھے یہ بھی خوشی ہے کہ ہم نے سینٹ میں جمہوری روایات کے استحکام میں جو کوششیں کی ہیں وہ مثبت ہیں اور قوم نے اسے سراہا ہے اور انشاء اللہ آئندہ بھی میں اور میرے رفقاء اپنی مثبت مساعی جاری رکھیں گے۔

مجھے مولانا سمیع الحق کے ساتھ اس بات میں بھی اتفاق ہے کہ پاکستان میں نظریاتی اساس کا تحفظ نہیں کیا گیا اور اپنی قومی و ملی روایات اور اپنا نظام نہیں اپنایا گیا، جاپان، امریکہ، بھارت، روس وغیرہ ہم ان کی قدر کرتے ہیں مگر ہماری روایات، ہماری تاریخ اور ہمارا ماضی اور کردار و نظریہ اُن سے مختلف ہے پاکستان کو اسلامی تاریخ اسلامی اقدار اور معاشرتی حوالے سے اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

یہاں کے نظام کے بدلنے اور اسلامی قوانین کے نفاذ میں علماء کرام بالخصوص مولانا سمیع الحق صاحب نے بھرپور کوششیں کیں اور ایک عظیم تاریخی شریعت بل سینٹ میں پیش کیا اور پاس کروایا اگر پاکستان میں نفاذِ اسلام دینی قوتوں کے کردار اور شریعت کی بالادستی کی کوئی بات کی جائے گی تو مولانا سمیع الحق اور ان کی [illegible] تاریخی جدوجہد کا ذکر سرِفہرست آئے گا شریعت بل کی طویل تاریخی جدوجہد یہاں سے شروع ہوئی اور پھر تدریجاً آگے بڑھتی رہی میں ذاتی طور پر بھی مولانا سمیع الحق کا ممنون ہوں کہ وہ میرے بھائیوں کی طرح ہیں ہم سب اُن کی اسلامی جدوجہد اور قومی و ملکی خدمات کے معترف ہیں اور ہماری یہاں حاضری کے موقع پر اُن کی مسرت استقبالیہ اور احترام پر شکر گزار ہیں۔

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

شریعتِ اسلامی مسلمان کے لیے دستورِ حیات ہے

ذیل کا مضمون حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ کا وہ گرانقدر خطبہ صدارت ہے جو اجلاس آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، منعقدہ ۹، ۱۰ اکتوبر ۱۹۹۳ء جے پور میں پڑھا گیا۔ پورا خطبہ ہدیۂ ناظرین ہے۔

حضرات!

میں آپ سب حضرات کا خیر مقدم کرتے ہوئے جو ہندوستان میں امت مسلمہ اور شریعت کے مختلف میدانوں میں اور مختلف سطح اور متفاوت درجات کے ساتھ نمائندگی کرتے ہیں اور توفیق الٰہی کے مطابق دین اور علم کی اشاعت اور شریعت کی حمایت اور دفاع میں مشغول ہیں، اپنے اس احساس و اعتراف اور تاثر کو چھپا نہیں سکتا کہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کا یہ اجلاسِ عام صحیح وقت کے ساتھ ایک مناسب، موزوں اور تاریخی و دینی اور شرعی اہمیت کے حامل مقام جے پور میں ہو رہا ہے، اس لیے کہ اس تاریخی شہر کے کچھ فاصلہ پر وہ شہر (ٹونک) واقع ہے جس کو یہ شرف حاصل ہے کہ تیرہویں صدی ہجری کے وسط میں وہاں شہادت گاہِ بالاکوٹ سے حامیانِ شریعت اور فدایانِ ملت کا وہ قافلہ منتقل ہوا۔ جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے شہادت فی سبیل اللہ کے بجائے شہادت بالحق اور حمایت و اشاعت شریعت کی سعادت مقدر فرمائی تھی۔

میری مراد تیرھویں صدی ہجری کے مجدد اور مجاہد اعظم حضرت سید احمد شہیدؒ رائے بریلوی کے متعلقین اور افراد خاندان کا وہ مجموعہ ہے جو ان کے ہم رکاب اور ان کا ہم سفر تھا، نیز رفقائے سفر ہجرت و جہاد کے وہ عالی حوصلہ، قوی الایمان اور باحمیت افراد جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے شہادت جسمانی کے بجائے شہادت ایمانی و لسانی اور شرعی و دینی زندگی کا عملی نمونہ دکھانے اور اس کو برت کر بتانے کی سعادت اور امکان کو ترجیح دی تھی اور جو اس آیت کی تفسیر ہے۔

«من المومنين رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر وما بدلوا تبديلا» (سورۃ الاحزاب - ۲۳)

"مومنوں میں کتنے ہی ایسے شخص ہیں کہ جو اقرار انہوں نے خدا سے کیا تھا اس کو سچ کر دکھایا، تو ان میں سے بعض ایسے ہیں جو اپنی نذر سے فارغ ہو گئے۔ اور بعض ایسے ہیں جو انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے (اپنے قول) کو ذرا بھی نہیں بدلا"

یہ قافلہ ٹونک سے قومی الایمان صاحب حمیت و حمایت اسلامی، متشرع والی ریاست نواب وزیر الدولہ مرحوم (متوفی ۱۲۸۱ھ ۱۸۶۴ء) جو سید صاحب کے مرید با اخلاص اور محب با اختصاص تھے کہ دعوت ہی نہیں بلکہ اصرار اور خوشامد پر ٹونک منتقل ہوا، جس کا بحیثیت ریاست کے کچھ ہی عرصہ پہلے قیام ہوا تھا اور انہوں نے شہر کے جس حصہ میں قیام اختیار کیا اس کا نام ہی ان کی رعایت سے "قافلہ" پڑ گیا اور آج بھی وہ اسی نام سے مشہور ہے۔

ان بقیۃ السیف اور بقیۃ السلف مہاجرین و مجاہدین کی جنہوں نے ٹونک میں قیام اختیار کیا یہ خصوصیت تھی کہ وہ عقائد و فرائض و عبادات ہی نہیں، عادات و اخلاق و معاملات، شادی و غمی کی تقریبات اور روزمرہ کی زندگی میں متبع شریعت اور عامل بالسنت تھے اور ان رسومات و عادات سے جو غیر مسلموں کے اختلاط اور دین و شریعت سے ناواقفیت یا قدیم رسوم کی پابندی کی وجہ سے ہندوستان کے عام مسلمانوں میں رواج پکڑ چکی تھیں، اور انہوں نے اکثر مقامات پر شریعت کی جگہ لے لی تھی، نہ صرف محفوظ بلکہ بیزار و باغی تھے اور ان کی زندگی اپنے پورے لوازم و تنوعات کے ساتھ عہد سلف کی یاد تازہ کرتی تھی اور یہ نتیجہ تھا، حضرت شہیدین (حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ) کی صحبت و تربیت کا۔

پھر اس ریاست کو یہ شرف بھی حاصل تھا کہ وہاں روز اوّل سے ریاستوں کے الغا و منسوخی کے آخری دن تک عدالتیں شریعت کے مطابق فیصلہ کرتی تھیں اور وہاں شرعی قانون ہی نافذ تھا، جس کے ترجمان و شارح اور اس کی تنفیذ و اجراء کا کام کرنے والے جید علماء، فقہاء و محدثین تھے۔

اس قرب مکانی اور قابل فخر جوار کا لحاظ کرتے اور اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبال کا یہ شعر پڑھنا ہر طرح موزوں اور برمحل معلوم ہوتا ہے ؎

آگ بجھی ہوئی ادھر ٹوٹی ہوئی طناب ادھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارواں

اس قرب مکانی اور اس پس منظر کے علاوہ یہ بھی اس اجلاس کے برمحل اور برموقع ہونے کی ایک دلیل اور فال نیک ہے کہ یہ اجلاس پہلی مرتبہ اس سرزمین پر ہو رہا ہے جس کو اسلام کے اس مقبول مؤثر اور عہد آفریں و تاریخ ساز داعی اور مربی روحانی کے مرقد بننے کا شرف حاصل ہے، جس کو ہندوستان کے ایمانی و روحانی فاتح کا لقب دیا جا سکتا ہے اور جس نے ہندوستان کی زمین، علاقے اور ملک کو اسلام کی تحویل میں لینے کے بجائے

اس کا دل جیت لیا اور اس کے عقیدے، معاشرہ اور اخلاق پر سب سے زیادہ گہرا اثر ڈالا، اور اسلامی فتوحات کو حقیقی طور پر مؤثر، عمیق اور دائمی بنایا، میری مراد حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی ذات والاصفات سے ہے جن کا مرقد مبارک اس راجپوتانہ کی سرزمین کے ایک شہر اجمیر میں واقع ہے ؎

آسماں اس لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

سامعین کرام وحاضرین ذوی الاحترام!

اب میں اصل موضوع پر آتے ہوئے پہلے یہ عرض کروں گا کہ اسلام اور دوسرے مذاہب، معاشروں اور نظامہائے زندگی کا ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ اسلام میں ازدواجی زندگی مرد و عورت کا تعلق اور عائلی (PERSONAL) رفاقت اور اس کی ذمہ داریاں، ان کے باہمی حقوق و فرائض، مذہب آسمانی اور شریعت خداوندی کا ایک شعبہ اور دین کا ایک جزء ہے جس کے لیے آسمانی ہدایات، شرعی قوانین اور سنت رسولؐ رہنما اور نمونہ ہے، جب کہ دوسرے مذاہب اور دنیا کے معاشروں اور تمدنوں میں وہ زندگی کی ایک ضرورت، ایک انسانی، نسلی اور تمدنی کبھی اختیاری اور کبھی اضطراری اور کبھی (مجھے معاف کیا جائے) تفریحی و التذاذی ضرورت ہے، اس بارہ میں اسلام کے امتیاز کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس کے صحیفۂ آسمانی میں طبقۂ اناث اور صنف ازواج کو ایک احسان اور مردوں کے لیے ذریعۂ سکون اور مستحق مؤدت و رحمت قرار دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"ومن آیٰته ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیها وجعل بینکم مودة ورحمة ان فی ذلك لاٰیٰت لقوم یتفکرون ○ (سورۃ الروم - ۲۱)

اور اس کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے اس نے تمہارے لیے تمہارے ہی جنس کی عورتیں پیدا کیں تاکہ ان کی طرف (مائل ہوکر) آرام حاصل کرو اور تم میں محبت و مہربانی پیدا کر دی، جو لوگ غور کرتے ہیں ان کے لیے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں"

پھر اس حقیقت خلقت اور مظہر رحمت کے آسمانی اعلان کے ساتھ جس کا تعلق طبقۂ اناث اور ازدواجی زندگی سے ہے، نسل انسانی کے رہبر اعظم اور اسوۂ اعلیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات اور آپ کی سیرت وہ نمونہ ہے جس سے ازدواجی اور عائلی زندگی کے گزارنے کے لیے ہدایت ملتی ہیں اور رفیقۂ حیات کا درجہ اور اس کا حق معلوم ہوتا ہے اس سلسلہ میں چند احادیث پر اکتفا کی جاتی ہے،

"عن عائشة رضی الله عنها قالت: قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم خیرکم خیرکم لأهله وأنا خیرکم لأهلی"[1]

[1] ابن ماجہ باب حسن معاشرۃ النساء۔

"حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لیے تم میں سب سے بہتر ہوں۔"

سیرت اور اسوۂ نبوی سے اس کی تصدیق ہوتی ہے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ "میں نے کسی کو اپنے اہل خانہ کے ساتھ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر شفیق و رحیم نہیں دیکھا۔"[1]

عمرو بن الاحوص جوشمی روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حجۃ الوداع کے موقع پر سنا کہ آپ نے خطبہ میں حمد وثنا کے تذکر و نصیحت کے بعد فرمایا کہ "عورتوں کے ساتھ اچھا معاملہ رکھو اس لیے کہ وہ تمہاری زندگی میں تمہاری معاون اور رفیقۂ حیات ہیں، ان کا حق ہے تم ان کو اچھا کھلاؤ اچھا پہناؤ۔"[2]

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اہل ایمان میں سب سے زیادہ کامل الایمان وہ ہے جو سب سے زیادہ خوش خلق ہو اور تم میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کے لیے سب سے بہتر ہوں۔"

ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "دنیا ایک گزارہ کی چیز ہے اور اس کی سب سے بڑی دولت نیک بی بی ہے۔"[3]

اس ازدواجی تعلق کی اہمیت کا اندازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس خطبۂ نکاح سے ہوتا ہے، جس میں سورۂ نساء کی پہلی آیت پڑھی گئی اس میں نسل انسانی کے آغاز کا تذکرہ ہے، جو اس مبارک موقعہ پر نہایت مناسب اور فال نیک ہے کہ حضرت آدمؑ کی ایک اکیلی ہستی تھی اور ایک رفیقۂ حیات جن سے اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کی تخلیق کی اور اس سے روئے زمین کو بھر دیا، اللہ تعالیٰ نے ان دو ہستیوں میں ایسی محبت و الفت اور ان کی رفاقت میں ایسی برکت عطا فرمائی کہ آج دنیا اس کی گواہی دے رہی ہے، تو خدا کے لیے کیا مشکل ہے کہ ان دو ہستیوں سے جو آج رہی ہیں، ایک کنبہ کو آباد اور ایک خاندان کو شاد و با مراد کر دے؟ پھر فرماتا ہے کہ اپنے اس پروردگار سے شرم کرو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ساری زندگی سوالات کا مظہر اور نمونہ ہے یہی متمدن زندگی کا خاصہ ہے۔ یہ عقد اور نکاح کیا ہے؟ یہ بھی ایک مہذب اور مبارک سوال ہے، ایک شریف خاندان نے ایک دوسرے شریف خاندان سے سوال کیا کہ ہمارے نورِ عین اور لخت جگر کو رفیقۂ حیات کی ضرورت ہے اس کی زندگی نامکمل ہے، اس کی تکمیل کیجیے دوسرے شریف خاندان نے اس سوال کو خوشی سے

---

[1] مسند امام احمد و صحیح مسلم۔ [2] ترمذی شریف (حدیث حسن صحیح) [3] صحیح مسلم، حقوق زوجین کے بارہ میں مذاہب اور اخلاقیات کے تقابلی مطالعہ کیلئے ملاحظہ ہو سیرۃ النبی جلد ششم تالیف علامہ سید سلیمان ندویؒ کا عنوان "حقوق زوجین" ص ۲۴۸ تا ۲۶۴)

قبول کیا، پھر وہ دونوں اللہ کا نام بیچ میں لاکر ایک دوسرے سے مل گئے اور دو ہستیاں جو کل تک ایک دوسرے سے سب سے زیادہ بے گانہ، سب سے زیادہ اجنبی اور سب سے زیادہ دور تھیں وہ ایسی قریب اور یگانہ بن گئیں کہ ان سے بڑھ کر یگانگت اور قرب کا تصور بھی نہیں ہو سکتا ایک کی قسمت دوسرے سے وابستہ اور ایک کا لطف و انبساط دوسرے پر منحصر ہو گیا، یہ سب اللہ کے نام کا کرشمہ ہے، جس نے حرام کو حلال ناجائز کو جائز، غفلت و معصیت کو طاعت و عبادت بنا دیا اور زندگیوں میں انقلاب عظیم برپا کر دیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اب اس نام کی لاج رکھنا، بڑی خود غرضی کی بات ہوگی کہ تم یہ نام درمیان میں لاکر اپنی غرض پوری کر لو اور کام نکال لو، پھر اس پُر عظمت نام کو صاف بھول جاؤ اور زندگی میں اس کے مطالبات پورے نہ کرو، پھر فرمایا کہ ہاں رشتوں کا بھی خیال رکھنا اس رشتہ سے قدیم رشتوں کا دور اور ان کے حقوق ختم نہیں ہو جاتے اور اگر کسی کے دل میں یہ خیال آئے کہ ایسی باتوں کی کون نگرانی کرے گا اور کون ہمیشہ ساتھ رہے گا، تو فرمایا:

"اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا"[1]

"اللہ تعالیٰ دائمی نگراں اور محاسب ہے"

اس کے برخلاف مختلف قدیم مذاہب اور قدیم و جدید تہذیبوں میں عورت کو کیا درجہ اور کیا حقوق دیئے گئے ہیں، اس سے واقفیت کے لیے وسیع النظری اور ہمت و محنت کے ساتھ مذاہب اور تہذیبوں کے بارہ میں تقابلی مطالعہ کی ضرورت ہے[2]

اب یہاں پہنچ کر ہم اسلام کے عائلی قانون اور حقوق زوجین کے بارہ میں چند غیر مسلم فضلاء اور ماہرین قانون کے اعترافات اور تصریحات پیش کرنے کی اجازت چاہتے ہیں کہ بعض مسلم مکاتب خیال اور ناعاقبت اندیش مسلمان اہل قلم کی تحریروں اور اعلانات سے ہندی و انگریزی پریس میں اسلام کا عائلی قانون اور اس کا ازدواجی نظام، اور اسلام میں رفیقۂ حیات ہی نہیں عورت کا درجہ طنز و اعتراض اور تحقیر و تضحیک کا موضوع بن گیا۔

ہم یہاں تین چار شہادتوں پر اکتفا کرتے ہیں، ان میں سے ایک شہادت ایک مغربی فاضلہ کی ہے۔ جو ہندوستان میں ایک تربیتی و اصلاحی تحریک کی قائد رہی ہیں، اور انہوں نے ہندوستان کی تحریک آزادی میں بھی حصہ لیا تھا ہماری مراد

---

[1] ملاحظہ ہو سورۂ نساء کی پہلی آیت، پورے خطبہ کی تشریح اور اس کے نکات و حقائق کے لیے ملاحظہ ہو خاکسار کی کتاب "ہندوستانی مسلمان ایک نظر میں" ص ۲۰ تا ۲۲، شائع کردہ "مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ"

[2] نمونہ کے طور پر ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی کی کتاب "المرأة بين الفقه والقانون" طبع پنجم، المکتبۃ الاسلامی بیروت و دمشق ص ۱۲-۲۲ اور اس کا عنوان "المرأة فی الحضارة الغربية" ص ۲۶۸ تا ۲۷۸ ملاحظہ ہو۔

مسزاینی بسنت (MRS. ANNIE BESANT) سے ہے، وہ کہتی ہیں:

" ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ عورتوں کے متعلق اسلام کے قوانین ابھی حالیہ زمانہ تک انگلینڈ میں اپنائے جارہے تھے یہ سب سے منصفانہ قانون تھا جو دنیا میں پایا جاتا تھا، جائداد، وراثت کے حقوق اور طلاق کے معاملات میں یہ مغرب سے کہیں آگے تھا اور عورتوں کے حقوق کا محافظ تھا، یک زوجگی اور تعدد ازدواج کے الفاظ نے لوگوں کو مسحور کردیا ہے اور وہ مغرب میں عورت کی اس ذلت پر نظر نہیں ڈالنا چاہتے جسے اس کے اولین محافظ سڑکوں پر صرف اس لیے پھینک دیتے ہیں کہ ان سے ان کا دل بھر جاتا ہے اور پھر ان کی کوئی مدد نہیں کرتا"[۱]

مسٹر (MR. C. COULSON) لکھتے ہیں:

" بلاشبہ عورتوں کی حیثیت کے بارہ میں خاص طور پر شادی شدہ عورتوں کے معاملہ میں قرآنی قوانین کے افضلیت کا مقام رکھتے ہیں، نکاح اور طلاق کے قوانین کثیر تعداد میں ہیں جن کا عمومی مقصد عورتوں کی حیثیت میں بہتری لانا ہے اور وہ عربوں کے قوانین میں انقلاب انگیز تبدیلی کے مظہر ہیں...... اسے قانونی شخصیت عطا کی گئی جو اس سے پہلے حاصل نہیں تھی، طلاق کے قوانین میں قرآن نے سب سے بڑی تبدیلی جو کی ہے وہ عدت کو اس میں شامل کرنا ہے"[۲]

مذاہب واخلاق کے انسائیکلوپیڈیا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

" پیغمبر اسلام نے یقیناً عورت کا درجہ اس سے زیادہ بلند کیا جو اسے قدیم عرب میں حاصل تھا، خصوصی طور پر عورت متوفی شوہر کے ترکہ کا جانور نہیں رہی بلکہ خود ترکہ پانے کی حقدار ہو گئی اور ایک آزاد فرد کی طرح اسے دوبارہ شادی پر مجبور نہیں کیا جا سکتا تھا، طلاق کی حالت میں شوہر پر یہ واجب ہو گیا کہ اسے وہ سب چیزیں دے دے جو اسے شادی کے وقت ملی تھیں۔

اس کے علاوہ اعلیٰ طبقہ کی خواتین علوم وشاعری سے دلچسپی لینے لگیں اور کچھ نے استاد کی حیثیت سے بھی کام کیا، طبقۂ عوام کی عورتیں اپنے گھر کی مالکہ کی حیثیت سے اپنے خاوندوں کی خوشی اور غم میں شریک ہونے لگیں اور ان کی عزت کی جانے لگی"

تقابلی قوانین کی بین الاقوامی کانفرنس (INTERNATIONAL CONFERENCE ON COMPARATIVE LAW) منعقدہ پیرس کی ایشیائی قوانین کے مطالعہ کی شاخ (BRANCH OF ORIENTAL STUDIES) نے جس میں مغرب ومشرق

---

[۱] ۵

کے فضلاء قانون شریک تھے، رزولیوشن مورخہ ۲ جولائی ۱۹۵۱ء میں کہا ہے: "اسلامی قوانین پر ہفتہ بھر چلنے والے مباحثوں سے مندوبین کے سامنے یہ بات ابھر کر آئی کہ اسلامی قوانین کے اصولوں کی افادیت میں کوئی شبہ نہیں ہے، قانون کی اس عظیم شاخ میں وہ تمام اصول وطریقہ کار موجود ہیں جو اسے جدید زندگی کی ضروریات کو پورا کرنے کا اہل بناتے ہیں۔

حضرات! یہ واقعہ ہے کہ ملک کے عام باشندوں اور خاص طور پر اخبار بینوں اور ملک میں پیش آنے والی تحریکوں اور سرگرمیوں پر نظر رکھنے والوں کو معلوم ہے کہ سپریم کورٹ کے فیصلہ کے خلاف جس میں مطلقہ کو حین حیات نفقہ دلانے کا فیصلہ کیا گیا تھا، مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ایماء اور ہدایت پر وہ ملک گیر تحریک چلی جس کی اپنی عمومیت، باہوش جوش اور سنجیدگی اور مسلمانوں کے مختلف فرقوں، تنظیموں اور مکاتب خیال کے اتحاد وتعاون میں تحریک خلافت کے علاوہ اور اس کے بعد کوئی نظیر نہیں ملتی تو ہندوستان کے غیر مسلم صحافیوں، دانشوروں اور عوام کی طرف سے ایک ایسے ردعمل، جوش ونفرت اور خوف وہراس کا مظاہرہ ہوا کہ معلوم ہوتا تھا کہ شاید اس ملک پر کوئی غیر ملکی طاقت حملہ کرنے والی ہے یا بجلی گرنے والی ہے، یا زلزلہ آنے والا ہے، حالانکہ یہ اس حقیقت پسندی اور احساس تناسب (SENSE OF PROPORTION) کے خلاف ہے جس پر زندگی کا نظام چل رہا ہے، مسئلہ جس نسبت سے توجہ فکر و پریشانی کا مستحق ہے اسی نسبت سے اس کی طرف توجہ اور اس میں توانائی صرف کرنے کی ضرورت ہے، رائی کا پربت بنانا نہ عقل سلیم کا تقاضا ہے نہ عقل عملی (PRACTICAL WISDOM) کا سب کو معلوم ہے کہ اس ملک میں مطلوبہ جہیز نہ لانے پر دلہنیں اور معصوم لڑکیاں جلا دی جاتی ہیں، ملک میں سیکڑوں واقعات پیش آنے میں، نیشنل پریس کے ایک صحیفہ "قومی آواز" دہلی، ۱ جون ۱۹۸۴ء کے بیان کے مطابق "صرف دہلی میں ہر بارہ گھنٹہ پر ایک نئی بیاہی دلہن کو جلا کر مار ڈالا جاتا ہے۔" پھر اس سرزمین پر جہاں ہم آپ اس وقت جمع ہیں، مختلف اطراف ستی کی رسم اب بھی جاری ہے اور اس کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں، ایسی صورت میں کیا احساس تناسب، عقل سلیم اور انسانی ہمدردی بلکہ اپنے فرقہ سے محبت کا تقاضہ یہ نہیں تھا کہ ان مظالم کی طرف توجہ اس سے کہیں زیادہ کی جائے جو مسلمانوں کے اپنے اسلامی عائلی قانون کے تحفظ کے مطالبہ اور یونی فارم سول کوڈ کی مخالفت میں کی جارہی ہے جس سے ملک میں حقیقی اتحاد پیدا ہونے کی امید رکھنا محض خوش فہمی اور دنیا کے واقعات سے اور دو گذشتہ جنگ عظیم سے سبق لینے کے مخالف ہے جو ایک ہی عائلی قانون اور سول کوڈ ماننے والی دو پروٹسٹنٹ عیسائی قوموں اور ملکوں کے درمیان ہوئی۔

پھر یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے تھا کہ اسلام اور مسلمانوں میں عورت کی شادی ہو جانے کے بعد وہ اپنے خاندان والدین اور بھائیوں سے کٹ نہیں جاتی اور مسلمان مطلقہ خاتون طلاق کے بعد بیکس لاوارث اور بھیک مانگنے یا زندگی کا

خاتمہ کرنے پر مجبور نہیں ہوتی۔ نکاح اور طلاق دونوں حالتوں میں وہ خاندان کے ایک فرد، ماں باپ (اگر وہ زندہ ہیں) کی بیٹی اور بھائی بہنوں کی بہن ہوتی ہے، وہ ترکہ (HERITAGE) اور جائداد میں اس پورے حصے کی مستحق ہوتی ہے جو شریعت اسلامی نے مقرر کردیا ہے اور جس کا قرآن مجید میں ذکر اور اس کے دینے کی تاکید کی ہے۔

اس کے برخلاف ہندو معاشرہ اور سماج میں عورت شادی کے بعد اپنے خاندان، ماں باپ، بھائی بہنوں سے کٹ جاتی ہے، اس کی کفالت کی ذمہ داری سرتا سر شوہر پر عائد ہوتی ہے اور شوہر کے انتقال پر عورت بالکل لاوارث اور تنہا ہوجاتی ہے اسی صورت حال اور رواج نے قدیم زمانہ میں (جس کی تاریخی تحدید مشکل ہے) خواتین کے طبقہ کو جو بیوگی کی زندگی گزارنے پر مجبور تھا، ستی کی رسم کی طرف مائل کیا جو اس کس مپرسی اور لاوارثیت سے نجات پانے کا واحد راستہ نظر آتا تھا۔

حضرات! سپریم کورٹ کے فیصلہ کی منسوخی (جس میں مطلقہ کو حین حیات نفقہ دینے کو لازم قرار دیا گیا تھا) اور پارلیمنٹ میں اس کے خلاف ممتاز تاریخی غیر معمولی اکثریت کے ساتھ پرسنل لا بورڈ کے مطالبہ اور مسلمانوں کی رائے عامہ کے مطابق بل پاس ہوجانے کا جو تاریخ ساز اور یادگار واقعہ پیش آیا اور جس میں مسلم پرسنل لا بورڈ کو کھلی کامیابی ہوئی، اس کے بعد بھی مسلم پرسنل لا بورڈ کا (اور حقیقتاً شریعت اسلامی کی حفاظت وحمایت کرنے والوں اور مسلمانوں کے عائلی قانون (پرسنل لا) کے باقی رہنے کی جدوجہد کرنے والوں کا کام ختم نہیں ہوا بقول شاعر ؎

مکتب عشق کا دیکھا یہ نرالہ دستور   اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد ہوا

اس کے بعد ایک اہم مرحلہ تو یہ ہے جو بورڈ کی توجہ کا موضوع اور حقائق وواقعات کا فطری تقاضا کہ بل کے پارلیمنٹ سے پاس ہوجانے کے بعد بھی ہندوستان کی بعض ریاستوں اور بعض مقامات کی عدالتیں سپریم کورٹ کے سابقہ فیصلہ کے مطابق مطلقہ کو حین حیات نفقہ دینے کے حق میں فیصلہ کررہی ہیں، جو صریح قانونی تضاد بلکہ حقیقتاً ایک منظور شدہ قانون سے بغاوت کے مرادف ہے، جو مرکزی حکومت کا پاس کیا ہوا ہے اور واجب العمل ہے، اس کے لیے بورڈ کی مجلس منتظمہ اور اس کے قانون داں ارکان اور وکلاء کوشش کررہے ہیں اور اس سلسلہ میں مقدمات بھی دائر ہوئے ہیں، یہ مرکزی حکومت کا فرض تھا اور ہے کہ وہ اپنے وزیر قانون کے ذریعہ یا اپنے اختیارات سے اس سلسلہ کو بند کرائے، اس سلسلہ میں بورڈ کے ایک وفد نے سابق وزیر اعظم وی پی سنگھ جی سے ملاقات بھی کی تھی اور ان کی توجہ مبذول کرائی تھی اور انہوں نے اس کا وعدہ بھی کیا تھا لیکن نہ ان کے عہد حکومت میں اس پر کوئی توجہ دی جاسکی اور نہ بعد کی حکومتوں کو اپنی اس ذمہ داری کا احساس ہوتا ہے اور اس میں مرکزی حکومت کی اہانت محسوس ہوتی ہے۔ ضرورت ہے کہ پوری توجہ اور تنظیم وامن کے ساتھ احتجاج اور قانونی چارہ جوئی کا سلسلہ جاری رہے ورنہ اندیشہ ہے کہ کہیں ان محنتوں پر پانی نہ پھر جائے جو اس سلسلہ میں کی گئیں۔

۲۔ بورڈ کے اہم ترین اور بنیادی مقاصد میں اصلاح معاشرہ کا کام داخل ہے اس سلسلہ میں کوششیں ہوتی رہی ہیں جلسے بھی اور دورے بھی ہوئے ہیں جن میں سب سے بڑا عوامی جلسہ اور اجتماع یکم مارچ ۱۹۹۲ء کو پٹنہ کے گاندھی میدان میں ہوا جس کی اپنی وسعت اور مقبولیت میں دور دور تک اور دیر دیر تک نظیر نہیں ملتی، لیکن ضرورت ہے کہ اس کے لیے تھوڑے تھوڑے وقفہ سے ہندگیر دورے اور عظیم و وسیع جلسے ہوں، دینی جلسوں اور مساجد کے مواعظ و خطبات کا بھی یہ موضوع بن جائے اور عام زندگی پر اس کا اثر پڑے۔

۳۔ عرصہ سے اس کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ اسلامی عائلی قانون کے موضوع پر ایک مستند اور مفصل کتاب تیار کی جائے جو آزاد اور شرعی دارالقضا سے لے کر سرکاری عدالتوں تک میں ایک قابل اعتماد حوالہ کی کتاب اور فقہی مرجع ہو، انگریزوں نے اپنے دورِ حکومت میں محمڈن لا (MOHAMMADAN LAW) پر مسلمان ماہرین قانون سے کتابیں لکھوائیں۔ جن میں جسٹس سید امیر علی اور جسٹس عبدالرحیم کی کتابیں خاص طور پر مشہور و مقبول ہوئیں اور وکلاء اور ججوں نے ان پر اعتبار کیا۔
لیکن ضرورت تھی کہ از سر نو اور زیادہ محنت، وسیع النظری اور دقیق النظری کے ساتھ ہندوستان کے مستند علماء و ماہرین فقہ و حدیث اس کام کو انجام دیں اور ایک ایسی نئی کتاب کی ترتیب عمل میں آئے جو مرجع اور سند کا کام دے۔

اس ضرورت کا احساس سب سے پہلے مسلم پرسنل لا بورڈ کے بانی امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی کو ہوا، جن کو اللہ تعالیٰ نے دور بینی، بیدار مغزی اور حقیقت شناسی اور حضرات کی آگاہی کی دولت سے خاص طور پر بہرہ مند فرمایا تھا اور راسخ بصیرت اور ذہانت و توفیق الٰہی نے ان سے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی تشکیل کا کام لیا اور انہوں نے اپنی نگرانی و سرپرستی میں مونگیر میں یہ کام شروع کرا دیا لیکن اس کام کی تکمیل کی نوبت نہیں آئی تھی کہ انہیں سفر آخرت پیش آگیا۔
لیکن مولانا مرحوم کی وفات کے بعد بھی بورڈ اور امارتِ شرعیہ نے اس کام کو جاری رکھا اور ہندوستان کے مستند و ممتاز علماء ماہرین فقہ اور مفتیان عظام نے اپنے مقامات سے سفر کر کے مونگیر اور پٹنہ میں ربیع الاول ۱۴۱۲ھ میں توفیق و اعانتِ الٰہی سے یہ کام مکمل کر لیا، جس کو فی الحال "اسلام کے عائلی قوانین کی دفعہ وار تدوین" کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے[1]

[1] اس تدوینی اور اہم علمی کام میں جن لوگوں نے زیادہ سے زیادہ وقت دیا اور اس کے مستقل شرکا تھے ان میں مولانا مفتی نعمت اللہ (مفتی امارت شرعیہ) مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی (دارالعلوم ندوۃ العلماء) مولانا مفتی احمد علی سعید (دارالعلوم وقف) مولانا ظفیر الدین (دارالعلوم دیوبند) اور مولانا نصر اللہ مفتی امارت شرعیہ کا خاص حصہ ہے، جزوی شرکا میں مولانا قاضی مجاہدالاسلام (قاضی امارت شرعیہ) مولانا ولی رحمانی (سجادہ نشین خانقاہ رحمانیہ و نگران مجلس) و میزبان اہیں۔

ضرورت ہے کہ اس کتاب کا انگریزی میں بھی ترجمہ شائع ہو تاکہ وکلاء اور جج صاحبان بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں، اور قدیم محمڈن لا کی کتابوں کے قائم مقام ہو اور اس کی ایک سند اور مرجع کی حیثیت ہو۔

حضرات سامعین کرام! اب میں دین کے ایک نمائندہ اور داعی کی حیثیت سے اور "مسلم پرسنل لا بورڈ" کے ایک ذمہ دار کی حیثیت سے آپ سے ایمانی وقرآنی زبان میں کچھ خطاب کرنا چاہتا ہوں کہ اس کے بغیر یہ شرف جو آپ نے اس عاجز کو بخشا ہے اور یہ قیمتی وقت جو آپ نے اس مؤقر مجلس میں شرکت کے لیے دیا ہے، اس کا حق نہیں ادا ہوگا اور اندیشہ ہے کہ اللہ کے یہاں محاسبہ ہو، یہاں پر میں اس عرض داشت کا اعادہ کروں گا جو دہلی کے اجلاس منعقدہ ۲۳،۲۴ نومبر ۱۹۹۱ء میں کی گئی تھی۔

آپ دیکھئے کہ آپ اسلامی وقرآنی قانون معاشرت کا خود کتنا احترام کرتے ہیں اس پر خاندانی روایات کو اور رسم و رواج کو کتنی ترجیح دیتے ہیں؟ اس پر اس کا اضافہ کیجئے جو آپ نے اپنے ہم وطنوں سے سیکھا ہے، جہیز کا بڑھا چڑھا مطالبہ ہم میں کہاں سے آیا؟ اس کو کسی نام سے یاد کیا جاتا ہو، یہ چیز کہاں سے آئی؟ مکہ و مدینہ حرمین شریفین سے آئی ہے؟ قرآن مجید کے راستہ سے آئی ہے؟ یہ لعنت کہاں سے آئی؟ جب آپ اس کو قبول کرتے ہیں تو بطور سزا کے آپ کی غیرت ملی کو، آپ کے وجود ملی کو بار بار نشانہ بنایا جاتا ہے۔

لیکن جب ہم اہل حکومت اور برادران وطن سے شکایت کرتے ہیں تو ہمیں آپ سے شکایت کرنے کا حق کیوں نہ ہو؟ ان سے تو شکایت کریں گے اور ان کا دامن پکڑلیں گے لیکن آپ کا گریبان پکڑلیں گے اور وہ ہاتھ ہمارا ہاتھ نہیں ہوگا، وہ دینی احتساب کا ہاتھ ہوگا، وہ شریعت کا ہاتھ ہوگا جو آپ کا گریبان پکڑے گا اور کہے گا کہ پہلے تم اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو کہ تم اس قانون پر کتنا چلتے ہو، تمہاری نگاہوں میں اس قانون کی کتنی حرمت ہے؟ ...... تم جہاں اس قانون کو چلا سکتے ہو وہاں چلا رہے ہو کہ نہیں؟ تم تو اپنے گھروں میں اس قانون کو نہ چلاؤ اور حکومت سے مطالبہ کرو کہ وہ تمہارے قانون کو چلائے اس کا احترام کرے۔

یہاں سے یہ عہد کرکے جائیے کہ اب قانون شریعت پر آپ چلیں گے، یہ جہیز کی کیا مصیبت ہے؟ لڑکے والوں کی طرف سے مطالبات کی ایک لمبی چوڑی فہرست پیش ہوتی ہے شرائط پیش کئے جاتے ہیں، ان کے پورا نہ ہونے پر یہ معصوم لڑکیاں جلادی جاتی ہیں ملک میں سیکڑوں واقعات پیش آتے ہیں، کیا اس کائنات کے خالق اور نوع انسانی کے مربی کو (جس کی مخلوق مرد و عورت دونوں ہیں) یہ چیز گوارہ ہو سکتی ہے؟ کیا اس ظلم کے ساتھ کوئی ملک، کوئی معاشرہ پنپ سکتا ہے؟ خدا کی رحمت و نصرت کا مستحق ہو سکتا ہے؟ آپ رحمۃ للعالمین کی امت ہیں، آپ کے ہوتے ہوئے دوسروں کو بھی اس کی ہمت نہیں ہونی چاہیئے تھی، یہ میں نے دہلی ہی کے ایک جلسہ میں کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ

يَسْتَغْفِرُوْنَ (سورۃ الانفال-۳۳)

"اور خدا ایسا نہ تھا جب تک تم ان میں تھے انہیں عذاب دیتا اور نہ ایسا تھا کہ وہ بخشش مانگیں اور انہیں عذاب دے۔"

آپ رحمۃ للعالمین کی امت ہیں آپ کے ہوتے ہوئے ہندوستانی سماج میں ہندوستان کے معاشرہ اور سوسائٹی میں یہ ظلم ہو، اس کو عقل قبول کرنے کے لیے تیار نہیں، آپ کے ہوتے ہوئے بھی یہ نہیں ہونا چاہیے تھا چہ جائیکہ آپ کے ہاتھوں ہو، عہد کیجیے کہ آپ اسلامی طریقہ پر، شریفانہ انسانی طریقہ پر شادی کا پیام دیں گے آپ لڑکی مانگیں، اپنے لیے رفیقہ حیات کی تلاش کریں گے بیٹے کے لیے پیام دیں گے۔ جہیز کے لیے آپ کے بڑھے چڑھے مطالبات نہیں ہوں گے کہ ہمیں یہ ملنا چاہیے وہ ملنا چاہیے، لڑکوں کو اور ان کے وارثوں اور بزرگوں کو اس کا عہد کرنا چاہیے کہ ہم اپنے یہاں تو کیا ہم اس ملک سے اس رسم کو ختم کر دیں گے۔

ایسے ہی ترکہ شرعی طریقہ پر تقسیم ہونا چاہیے، نکاح شرعی طریقہ پر ہو، اور طلاق کا مسنون طریقہ معلوم کرنا چاہیے مسنون اور افضل طریقہ کیا ہے، پھر اس کے بعد فقہی طلاق جس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے اس کو سمجھنا چاہیے، یہ بھی جاننا چاہیے کہ طلاق رجعی کیا ہوتا ہے، طلاق بائن مغلظہ کیا ہوتا ہے؛ پھر آپ یہ بھی سمجھیں کہ طلاق ابغض المباحات ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جائز ہے لیکن آخری درجہ کی چیز ہے، بڑی مجبوری کی چیز ہے جو بچنے کو حرام چیزوں سے اور زندگی کو تلخ بننے سے بچانے کے لیے بہت مجبوری سے دل پر پتھر رکھ کر اختیار کی جاتی ہے یہ نہیں کہ طلاق ایک فیشن ہو گیا ہے، جو لوگ مسلمانوں کو یہ طعنہ دیتے ہیں اس میں تھوڑی سی ہماری کوتاہی کو بھی دخل ہے جتنا طعنہ دیتے ہیں اتنے کے مستحق تو ہم ہرگز نہیں ہیں[1]۔

حضرات! اب آپ اس اجلاس سے جو جے پور میں "جامعہ ہدایت" کے سایہ میں ہو رہا ہے، اپنے اپنے مقامات پر واپس جائیں گے ضرورت ہے کہ آپ جامع پیغام ہدایت لے کر جائیں اور یہ اجلاس نہ صرف آپ کے عائلی اور خاندانی دائرہ میں کتاب و سنت اور ہدایت ربانی کے مطابق زندگی گزارنے اہل حقوق کو ان کے حقوق ادا کرنے اور ایک صالح و عادل اور متبع سنت معاشرہ کا نمونہ پیش کرنے کا باعث ہو بلکہ آپ کے ذریعہ آپ کے ہم وطن اور ہم شہر مسلمانوں ہی نہیں بلکہ غیر مسلموں کے سامنے بھی اسلامی عائلی زندگی اور صالح معاشرہ کا ایک [illegible] سامنے آئے جس سے ان کو نہ صرف اسلام کی تعلیمات کی قدر اور اعتراف ہو بلکہ اس کی طرف کشش اور انجذاب پیدا ہو۔

وما ذلك على الله بعزيز۔

---

[1] مسلمانوں میں طلاق کی شرح وہ نہیں ہے جو بیان کی جاتی ہے، اس میں مبالغہ اور رنگ آمیزی سے کام لیا جاتا ہے پھر بھی تھوڑی سی بے اعتدالی ضرور ہے۔

ڈاکٹر فضل احمد صاحب

مسئلہ انکارِ حدیث کا تاریخی جائزہ

تاریخ شاہد ہے کہ ہجرت مدینہ کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے پاس پہنچے اور اس ہجرت نے مسلمانوں میں خود اعتمادی پیدا کی جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی "مؤاخات" نے اور زیادہ مستحکم کردیا۔ چنانچہ یہ بات یہود کو ناگوار گزری کہ مدینہ کے لوگ ان کے اثر سے نکل جائیں جب کہ ہجرت نبویؐ سے پہلے تک وہ یہود کے دست نگر، مقروض، ان کے علم دین کے دعوے اور کہانت و فطانت کو تسلیم کر چکے تھے۔ اس لیے اب انہوں نے منافقت کی راہ سے مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے اور باہمی اختلاف پیدا کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے لوگوں کو مسلمانوں میں شامل کر کے اور اعلان قبول اسلام کے ذریعے انہیں نقصان پہنچانے کا منصوبہ بنایا یہ لوگ نبیؐ کی موجودگی میں تو مسلمانوں کو کوئی زک نہ پہنچا سکے۔ لیکن آپ کے بعد در پردہ اختلافات پیدا کرنا شروع کردیئے۔ اپنے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد سب سے پہلے منکرین زکوٰۃ نے زکوٰۃ دینے سے اس بنیاد پر انکار کیا کہ اس کا نصاب اور دوسری تفصیلات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی تھیں اور قرآن میں یہ تفصیلات موجود نہیں ۔ بقول ان کے ہماری رہنمائی کے لیے قرآن ہی کافی ہے ۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مانعین زکوٰۃ وہ اولین منکرین حدیث تھے جنہوں نے قرآنی احکام کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے کے لیے حدیث کا انکار کیا۔

لیکن صدیق اکبرؓ نے سنت کا دفاع کرتے ہوئے مانعین زکوٰۃ سے قتال کیا اور اپنے اس عزم کا اظہار کیا کہ

"خدا کی قسم کوئی زکوٰۃ کا ایک جانور یا ایک رسی بھی جو وہ نبیؐ کے سامنے ادا کرتا تھا اب نہ ادا کرے گا تو میں اس سے ضرور قتال کروں گا۔"[۱] حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ قتال اس بناء پر تھا کہ سنت نبوی اسی طرح حجت ہے جس طرح آیات قرآنی ۔ اگرچہ منکرین حدیث کا یہ فتنہ عہد صدیقیؓ میں دب گیا لیکن دور فاروقؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں دشمنان اسلام نے فتنہ خوارج کے سرخیل کی صورت میں پھر سر اٹھایا اور اتنا پروان چڑھا کہ دب نہ سکا۔

علامہ ابن الحجر العسقلانی فرماتے ہیں کہ[۲]

جس نے (حدیث میں) سب سے پہلا جھوٹ بولا وہ عبداللہ بن سبا تھا حضرت علیؓ کی جماعت کے مشہور بزرگ حبیب بن نجیب ایک دن عبداللہ بن سبا کو پکڑے ہوئے کوفہ کی جامع مسجد میں منبر کے سامنے کھڑا کر کر کے یہ اعلان کر رہے تھے کہ

یکذب علی اللہ وعلی رسولہ[۳]

یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف جھوٹی باتیں بنا کر منسوب کرتا ہے۔ مختصر یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور تک منافقین مختلف سازشیں کرتے رہے اور ناکام ہوتے رہے لیکن آپؐ کی وفات کے بعد ان کا سردار گہرا سازشی جس نے مسلمانوں کی فوجی چھاؤنیوں اور بستیوں میں اپنے کارندوں کا جال بچھا رکھا تھا۔ خود مسلمانوں میں مختلف قسم کے شکوک وشبہات قرآنی آیات کے متعلق پھیلاتا پھرتا تھا۔ حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ وہ (ضبیغ) خوارج کی جماعت سے تعلق رکھتا تھا۔[۴]

پھر یہی منافق مدینہ میں خلافت کے مسئلے پر اپنی سازش کا پہلا اور کھلا وار کرتا ہے۔ دوسری جانب رسول اللہؐ سے منسوب کر کے غلط بیانیوں کا ایک دھواں اڑاتا ہے کہ مسلمان اصل حقیقت کو نہ دیکھ سکیں۔ اور اس طرح ان کی ایمانی قوت اور اتحاد ویکجہتی تباہ ہو جائے۔

درحقیقت حدیث رسولؐ کے دشمن دو گروہ ہوئے ہیں۔

۱۔ وضاعین حدیث:

ان کے بانی اور مؤسس روافضی وشیعہ ہیں۔

۲۔ منکرین حدیث:

ان کے بانی اور مؤسس، سب سے پہلے صحیح، مشہور اور متواتر حدیثوں کا انکار کرنے والے خوارج ہیں۔

عہد نبویؐ میں کسی مخالف اسلام کو جھوٹی حدیث (موضوع حدیث) بنانے یا اور کسی قسم کی سازش کا موقع نہ مل سکا۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ اس کی تصدیق وتردید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کر لیتے تھے۔ نیز وحی کا نزول جاری تھا جس کے ذریعے منافقین کے تمام رازہائے سربستہ فاش کر دیئے جاتے تھے۔ حضورؐ کی وفات کے بعد خلیفہ اوّل اور دوم کی نہایت محتاط اور دور اندیشانہ روش کے نتیجے میں اسلام پر کوئی آنچ نہ آئی۔ لیکن اس کے بعد اسلام کے اس بیش بہا سرمایہ یعنی ذخیرہ احادیث کو مشکوک بنانے کی مختلف تدابیر اختیار کی جانے لگیں۔

چنانچہ خلیفہ ثالث کی شہادت کے بعد واقعہ تحکیم وقوع پذیر ہوا۔ واقعہ تحکیم (ثالثی) کے بعد اسلام کے سخت دشمن فرقہ خوارج نے اس بنیاد پر احادیث کا انکار کر دیا کہ تحکیم (ثالثی) کو قبول کرنے کی وجہ سے تمام صحابہ کافر ہو گئے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

"کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا" (۵)

یہ لوگ کتنی بڑی بات اپنے منہ سے (زبانوں سے) نکالتے ہیں یہ جھوٹ بکتے ہیں۔

کسی روایت کی قبولیت کی پہلی شرط مسلمان ہونا ہے اس لیے انہوں نے کتاب اللہ کو حجت مانا اور اس پر پورے دین کا دارومدار کیا لیکن احادیث کا انکار کردیا۔ (۶)

درحقیقت صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں ہی انکارِ حدیث کا فتنہ جنم لے چکا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ حدیث بیان کی۔

"لعن اللہ الواشمات والموتشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغیرات خلق اللہ" (۷)

یعنی اللہ تعالیٰ نے گودنے والی، گدوانے والی، چہرے کا بال بننے والی اور حسن کے لیے دانتوں کو جدا کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ کیونکہ وہ خدا کی خلقت کو بدلتی ہیں۔

قبیلہ بنو اسعد کی ایک عورت نے یہ حدیث سنی تو اس نے حضرت ابن مسعودؓ سے کہا کہ اے ابو عبدالرحمن مجھے اطلاع ملی ہے کہ آپ نے فلاں اور فلاں قسم کی عورتوں پر لعنت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ اللہ کی کتاب میں ہے جب کہ میں نے (عورت) پورا قرآن پڑھا ہے اس میں یہ حکم نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا اگر تو نے پورا قرآن پڑھا ہوتا تو تجھے بھی یہ حکم مل جاتا تو نے یہ آیت نہیں پڑھی۔

"وما آتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنہ فانتھوا" (۸)

یعنی جو اللہ کے رسول تم کو دیں تو اس کو لے لو اور جس چیز سے باز رہنے کو کہیں اس سے باز آجاؤ۔"

اس عورت نے کہا ہاں میں نے یہ آیت پڑھی ہے تب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مذکورہ عورتوں پر لعنت بھیجی ہے۔

گویا سنت بھی اسی طرح حجت ہے جیسا کہ آیات قرآنی اس قسم کے اشکالات، امیہ بن خالد کو بھی پیش آئے جب انہوں نے یہ کوشش کی کہ تمام مسائل کا حل صرف قرآن کریم میں تلاش کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے عبداللہ بن عمرؓ سے فرمایا۔

انا نجد صلوٰۃ الحضر وصلاۃ الخوف فی القرآن ولا نجد صلاۃ السفر فی القرآن فقال عبداللہ یا ابن أخی ان اللہ بعث الینا محمدا صلی اللہ علیہ وسلم ولا نعلم شیئاً فانما نفعل کما راینا محمدا یفعل۔ (۹)

یعنی ہم صلاۃ حضر اور صلاۃ خوف کو تو قرآن مجید میں پاتے ہیں لیکن صلاۃ سفر کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ملتا

تو عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا اے میرے بھتیجے اللہ تعالیٰ نے محمدؐ کو اپنا پیغامبر بنا کر ہماری طرف مبعوث کیا جب کہ ہم کچھ نہیں جانتے تھے اب ہم ایسا ہی کریں جیسا کہ ہم نے محمدؐ کو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

خوارج کے اس پر آشوب فتنے کی وجہ سے لوگوں کے ذہنوں میں حدیث کے سلسلے میں اشکالات پیدا ہوتے رہے۔ اور ان تمام اشکالات کو دور کیا جاتا رہا ہے۔ خوارج کو انکار سنت کی ضرورت اسی لیے پیش آئی کہ وہ ملت اسلامیہ میں جو انتشار پھیلانا چاہتے تھے۔ سنت رسولؐ اس کے لیے سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔ چنانچہ انہوں نے وضع حدیث کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس دور میں خوارج اس سلسلے میں اتنے بدنام ہو چکے تھے کہ اگر کسی کو حدیث میں اشکال پیدا ہوتا تھا تو فوراً اس کو خارجی کہہ کر پکارتے تھے۔ چنانچہ ایک ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضؓ سے کسی عورت نے دریافت کیا کہ ایام حیض کی نماز کی قضاء پڑھنی چاہیئے تو فوراً حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا" أحرورية أنت" کیا تو خارجیہ تو نہیں، جو صرف قرآن کو حجت تسلیم کرتی ہے اور حدیث سے انکار کرتی ہے۔ ہمیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیض کی نماز کے قضاء کا حکم نہیں دیا (۱۰)

خوارج نے حدیثوں کو مطعون کہا۔ صحابہ کرام کو کافر قرار دیا۔ لیکن اس کے بعد ردعمل کے طور پر خوارج کے بالمقابل معتزلہ، روافض اور شیعہ فرقے ظہور میں آئے۔

چنانچہ مصطفیٰ السباعی لکھتے ہیں کہ معتزلہ خوارج کی طرح دین سے نکلے ہوئے بے دین لوگ ہیں جنہوں نے صحابہ کرام کو ہدف طعن و تشنیع بنایا چنانچہ ان میں ایک شخص ثمامہ بن اشرس نماز کے لیے جانے والے مسلمانوں کو دیکھ کر کہتا ہے۔ گدھے ہیں گدھے۔ (۱۱)

معتزلہ کا پیشوا واصل بن عطاء (المولود فی ۸۰ھ) تھا۔ ان کے نزدیک دلائل و براہین کی مد میں ایک سب سے بڑا معیار و مقیاس عقل بھی ہے جب انہوں نے دیکھا کہ سنت نبویہ کا بہت بڑا ذخیرہ ایسا ہے جو فلسفہ یونان کے نظریات سے متصادم ہے تو انہوں نے احادیث کی حجیت سے انکار کر دیا۔

لیکن علامہ جزائری لکھتے ہیں کہ اگرچہ لوگوں میں بہت مشہور ہے کہ معتزلہ کا مذہب علم فلسفہ میں غلو کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ مگر یہ خیال بے اثر ہے کیونکہ ان کا مذہب صحابہ کرام کے آخری دور میں شروع ہو چکا تھا۔ حالانکہ اس وقت فلسفے کی کسی کتاب کا بھی ترجمہ ہونے نہ پایا تھا (۱۲)

لیکن اس سے کسی کو انکار نہیں کہ انہوں نے راحت قبر و عذاب قبر، حشر و نشر کے بعض حقائق، رویت باری تعالیٰ، شفاعت، صراط و میزان اور جنت و جہنم کے بہت سے حقائق ثابتہ اور کیفیات کو اپنی عقل نارسا کی زنجیروں میں جکڑ کر اپنی خام عقل کے ترازو سے تولنا چاہا۔ اور راہ راست سے بھٹک کر ورطہ ضلالت میں اوندھے منہ گر پڑے اور اس سلسلے میں وارد شدہ تمام احادیث کو ناقابل اعتبار قرار دے کر یوں سنت سے گلو خلاصی کی ناکام کوشش کی۔

اس طرح عقلیت پرست فرقہ معتزلہ نے اس فتنۂ انکار حدیث کو مزید تقویت پہنچائی اور منکرین حدیث کے خوب ہاتھ مضبوط کیئے۔

انکار حدیث میں ان کے شانہ بشانہ کچھ زنادقہ، ملاحدہ اور روافضی و شیعہ بھی تھے۔ چنانچہ روافض و شیعہ نے قرآن میں کمی و بیشی اور مسخ و تحریف کے دعوے کے علاوہ آئمہ اہل بیت کے علاوہ تمام صحابہ کی روایات کا انکار کر دیا۔ اور پورے دین کو اپنے آئمہ کی روایات اور انہیں کی اتباع میں محدود و منحصر کر دیا۔

بہرحال یہ مسئلہ انکار حدیث ملحدین و زائغین کے ہاتھوں پروان چڑھتا رہا۔ چنانچہ علامہ ابن حزم خوارج اور معتزلہ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"تمام معتزلہ اور خوارج کا مسلک ہے کہ خبر واحد موجب علم نہیں ان کا کہنا ہے کہ جس خبر میں جھوٹ یا غلطی کا امکان ہو اس سے اللہ تعالیٰ کے دین میں کوئی بھی حکم ثابت کرنا جائز نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کی نسبت خدا کی طرف کی جا سکتی ہے اور نہ خدا کے رسول کی طرف۔ (۱۳)

بہرکیف انکار حدیث کے مسئلے کو اٹھانے والے پیدا ہوتے رہے کچھ فرقے ہوئے جو احادیث کو اسلامی شریعت کا ماخذ ہونے کی حیثیت سے حجت اور دلیل شرعی ہونے کا انکار کرتے تھے۔ اور کچھ فرقے متواترہ احادیث کے علاوہ باقی تمام احادیث سے (جو خبر واحد کے طور پر وارد ہیں) کے حجت ہونے کا انکار کرتے تھے۔ اور بعض فرقے ہر اس سنت اور حدیث کا انکار کرتے تھے جو قرآن عظیم کے نصوص کے بیان کی تاکید و تائید کے طور پر وارد نہ ہو۔ بلکہ ان سے نصوص قرآن پر مستزاد کوئی مستقل حکم نکلتا ہو۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ مخالفین اسلام خوارج، معتزلہ، روافض، غالی شیعہ اور ان کے بہی خواہوں نے اسلام کے اس بیش بہا سرمایہ یعنی ذخیرۂ احادیث کو ناکارہ بنانے کی بھرپور کوششیں کیں۔ جھوٹی حدیثیں وضع کر کے، صحابہ پر طعن کر کے واقعۂ تحکیم کا سہارا لے کر غرضیکہ جس طرح بھی ہو سکتا تھا۔ یہ معاندین اسلام حدیث رسول پر ضرب لگاتے رہے۔

چنانچہ ایک دور وہ بھی آیا جب متکلمین معتزلہ نے احادیث رسول کو حجت تسلیم کرنے سے کھلم کھلا انکار کر دیا۔ الأحکام فی اصول الأحکام میں مرقوم ہے۔

"ایضا فان جمیع اهل الاسلام كانوا علی قبول خبر الواحد الثقة من النبیؐ یجری علی ذلك كل فرقة علی علمها كاهل السنة والخوارج والشیعة والقدریة حتی حدیث متكلموا المعتزلة بعد المائة من التاریخ فخالفوا الاجماع فی ذلك۔ (۱۴)

یعنی تمام مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت شدہ خبر واحد، ثقہ سے قبول کرنے پر متفق تھے۔

اور اس پر تمام فرقے اہل سنت، خوارج جبریہ، قدریہ اور شیعہ بھی اپنے علم کے مطابق عمل پیرا تھے۔
یہاں تک کہ پہلی صدی ہجری کے بعد معتزلہ متکلمین کا دور آیا جنہوں نے اس اجماع کی مخالفت کی۔
بہرکیف خارجیت و شیعیت کے مناقشات ہوں یا جبر و اختیار کی بحثیں، مرتکب کبائر کے کفر و فسق کا قصہ ہو یا خلق قرآن کا فتنہ یہ سب دراصل تقسیم کار کے اصول پر ایک نصب العین، ایک مطمع نظر کے مختلف پروگرام تھے۔ راہیں جدا جدا تھیں مگر منزل ایک تھی۔ ان فتنوں کی غرض اور ٹکنیک مشترک تھی۔ کہ قرآن کو اس کے لانے والے کی قولی و عملی تشریح و توضیح سے الگ کر کے مجرد ایک کتاب کی حیثیت سے لے لیا جائے۔ اور پھر اس کی من مانی، تاویلات کر کے ایک دوسرا نظام بنا لیا جائے جس پر اسلام کا لیبل چسپاں ہو۔
چنانچہ انہوں نے احادیث کے بارے میں یہ شکوک دلوں میں ڈالے کہ یہ فی الواقع حضورؐ کی ہیں یا نہیں؛ اور پھر یہ سوال اٹھایا کہ خبر واحد کیسے حجت ہو سکتی ہے؛ ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ محمدؐ ہم تک قرآن پہنچانے کے لیے مامور کیے گئے تھے۔ سو انہوں نے وہ پہنچا دیا ورنہ محمد بن عبداللہ ویسے ہی انسان تھے جیسے ہم۔ انہوں نے جو کچھ کہا اور کیا وہ ہمارے لیے کیسے حجت ہو سکتا ہے؛ اور پھر صرف احادیث کا انکار ہی نہیں کیا بلکہ قرآن کو بھی مشکوک بنا دینے کا پروگرام تھا۔ جیسا کہ گذشتہ اوراق میں ذکر کیا گیا ہے۔
لیکن ہر دور کے علماء نے اپنے اپنے انداز میں انکار حدیث کے فتنے کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور علمی سطح پر منکرین کے اعتراضات کا جواب دیا۔
چنانچہ امام شافعی نے اپنی کتابوں "الرسالہ" اور "الام" میں ان لوگوں کے خیالات کا پرزور انداز میں رد کیا ہے۔
امام احمد ابن حنبلؒ نے بھی اطاعت رسول کے اثبات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس میں منکرین حدیث کے اعتراضات کا ابطال کیا۔ جس کا کچھ حصہ حافظ ابن القیم نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ (۱۵)
علماء اہل مغرب میں سے ابن عبدالبر نے اپنی کتاب "جامع بیان العلم وفضلہ" میں اس فرقے کے بعض باطل نظریات کا تنقیدی جائزہ لے کر اس کا رد پیش کیا۔ اسی طرح امام حاکم نے بھی اپنی کتاب میں ان چند منکرین حدیث کا ذکر کیا ہے جو رواۃ حدیث پر سب و شتم کرتے اور ان کو مورد طعن قرار دیتے تھے پھر علامہ ابن حزم نے بھی الاحکام میں اس گروہ کے خیالات کا ٹھوس عقلی اور نقلی دلائل سے رد کیا ہے۔
امام غزالی نے اپنی کتاب "المستصفی" میں اس گروہ کے شبہات پر بھرپور رد کیا ہے۔
امام سیوطی نے بھی مفتاح الجنۃ فی الاحتجاج بالسنۃ میں ان کے اعتراضات کا ابطال کیا ہے۔
اس طویل بحث سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ مسئلہ انکار حدیث کی ابتداء پہلی صدی ہجری ہی سے خوارج و

تشیعہ کی صورت میں ہوگئی تھی۔ لہٰذا یہ فرقہ اپنے زمانہ ظہور سے لے کر اب تک کسی نہ کسی شکل میں ظاہر ہوتا رہا۔

اس کے علاوہ مستشرقین یورپ نے صلیبی لڑائیوں میں فیصلہ کن شکست کے بعد انہی ہتھیاروں سے اور اسی محاذ سے اسلام کی بیخ کنی شروع کردی۔ اور حدیث وسنت کو غیر معتبر بنانے کی غرض سے سائینٹفک ریسرچ کے نام سے اس کے خلاف ایک منظم مہم چلائی چنانچہ ان کے نزدیک احادیث رسول اللہ کی وفات کے سو سو برس بعد قلم بند ہوئیں لہٰذا یہ ناقابل اعتماد ہیں۔ اور کبھی یہ حضرات صحابہ کرام اور تابعین وائمہ۔ حدیث کو طعن وتشنیع کا نشانہ بناتے ہیں۔ پھر انہی لوگوں نے حدیث کو عقل کے معیار پر پرکھنے کی کوشش کی اور بزعم خود ان پر عقلی شبہات و اعتراضات وارد کیے۔ اور اسی بنیاد پر اسلام کے اساسی معتقدات جن میں ملائکہ، عذاب قبر جزاو سزا، معجزات انبیاء، افعال العباد اور جنت ودوزخ وغیرہ شامل ہیں کی من مانی تاویلات کیں غرض کہ تمام احکام شرعیہ جن پر مسلمان عمل کرتے چلے آرہے تھے نئے نئے انداز سے حملے کرکے پورے دین کی عمارت کو متزلزل کرنے کی جدوجہد کی۔

جب کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے مسلمان منافقین کی مدد سے اسلام کو نیچا دکھانے کی جو کوششیں کیں وہ وہ تاریخ کے ہر دور میں نمایاں رہیں۔

انیسویں صدی عیسوی میں انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد جب ہندوستان میں انگریزوں نے مغربی علوم وفنون کی اشاعت کا انتظام کیا تو سائنس اور فلسفے کے راستے سے الحاد وبے دینی کا سیلاب اس ملک میں بھی آیا اور بیسویں صدی کے آغاز میں جب مسلمانوں پر مغربی اقوام کا سیاسی اور نظریاتی تسلط بڑھا تو مسلمانوں کا ایک ایسا طبقہ وجود میں آیا جو مغربی افکار سے بے حد مرعوب تھا۔ ان کا خیال تھا کہ دنیا میں ترقی مغرب کی تقلید کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی چونکہ اسلام کے بہت سے احکام ان کے راستے میں رکاوٹ تھے۔ لہٰذا انہوں نے تجدد کے نام پر اسلام کی تحریف کا سلسلہ شروع کردیا۔

سرسید احمد خان نے علی گڑھ میں ایک کالج قائم کرکے یہ کوشش کی کہ مسلمان مغربی علوم سے آشنا ہوکر ایک طرف حکومت میں عہدے حاصل کریں اور دوسری جانب وہ مغربی علوم کی سمیت سے بھی محفوظ رہیں چنانچہ اس سم قاتل کے ازالے کے لیے جو تریاق انہوں نے تجویز کیا وہ یہ تھا کہ اسلامی تعلیمات کو عقلیت کی بنیاد پر ثابت کیا جائے۔

چونکہ احادیث سے معجزات، معراج جسمانی، ملائکہ کے وجود خارجی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا اثبات ہوتا ہے اس لیے انہوں نے ان تمام احادیث کا انکار کردیا۔ اور احادیث کی صحت کا معیار انسانی عقل کو بنایا۔

احادیث نبویؐ کو عقلی معیار کی کسوٹی پہ پرکھنے کا اصول وضع کرکے انہوں نے ہندوستان میں انکار حدیث کا پہلا تخم بویا۔ جس کے اثمار تلخ بعد میں ہماری قوم کے سامنے اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر ہوئے پھر اسی عہد

میں عبداللہ چکڑالوی نے سرسید کی تیار کردہ بنیادوں پر انکار حدیث کا قصر تعمیر کیا۔

انہی خطوط پر دوسرے منکرین حدیث جنم لیتے رہے۔ اور یہ معاملہ آگے بڑھتا گیا۔ مولوی چراغ علی اور سید امیر علی بھی میدان میں آئے۔ چنانچہ انہوں نے احادیث کے متعلق ایسی تحریریں لکھنا شروع کیں جن سے حدیث کی قطعیت اور حجیت مشتبہ ہو جائے۔ انہوں نے جہاں علمی ادبی اور سیاسی بیداری پیدا کی وہیں مغربی نظام سے وابستگی بھی پیدا کردی اس ضمن میں چراغ علی نے ایک کتاب بہ عنوان "اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام" لکھی جس میں انہوں نے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی کہ حدیث نبوی ایسی یقینی نہیں ہے جیسا کہ عام مسلمان خیال کرتے ہیں اور اس کی صحت و حجیت بہت مشتبہ ہے۔

۱۹۲۴ - ۲۵ء کے عرصے میں ایک اور شخص خواجہ احمد دین نے امرتسر میں چند دوستوں کی مدد سے "امت مسلمہ" کی بنیاد ڈالی اور رسالہ "البیان" جاری کردیا۔ جس کا مقصد عبداللہ چکڑالوی کے مسلک کو زندہ کرنا تھا۔

پھر ۱۹۳۸ء میں محمد اسلم جیراجپوری نے اس میدان میں قدم رکھا اور اسی سال جب دہلی سے "طلوع اسلام" نکلنا شروع ہوا تو انہوں نے اس رسالہ میں اپنے خیالات کا پرچار شروع کیا۔

جب طلوع اسلام کو قوم میں ہر دلعزیزی حاصل ہوگئی تو غلام احمد پرویز نے انکار حدیث کی شکر آمیختہ گولیاں جاہل مسلمانوں کے حلق میں اتارنا شروع کیں اور کمال جرأت سے کام لے کر کراچی میں اپنی قیام گاہ پر قرآن حکیم کا درس شروع کردیا۔ اس درس میں قرآنی آیات کی توضیح و تشریح حدیث کی مدد کے بغیر کی جانے لگی اس کے علاوہ اسلامی موضوعات پر کتابچے شائع کیے گئے جو عورتوں بچوں، کم پڑھے لکھے لوگوں اور سرکاری ملازمین کے لیے مخصوص تھے، گویا مذکورہ بالا لوگوں کے ذہنوں سے حدیث کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کی گئی۔

اسی دور میں احمد امین مصری کا نام بھی آتا ہے جنہوں نے اپنی کتاب فجر الاسلام میں "الحدیث" کے عنوان سے سنت و حدیث پر ایسی بحث کی ہے جس سے حدیث کی اہمیت اور حجیت کم ہو جاتی ہے اس طرح اسماعیل ادہم نے ۱۳۵۳ھ میں تاریخ سنت کے موضوع پر مصر میں ایک رسالہ شائع کیا جس میں انہوں نے یہ اعلان کیا کہ "حدیث کا یہ گرانقدر سرمایہ جو ہمارے سامنے موجود ہے اور کتب صحاح ستہ میں محفوظ ہے۔ نہ صرف یہ کہ اس کی عمارت محکم بنیادوں اور ان ستونوں پر قائم نہیں بلکہ مشکوک و مشتبہ بھی ہے اور موضوع (من گھڑت) ہونے کے آثار اس میں نمایاں ہیں" (۱۷)

مصطفی السباعی نے اپنی کتاب "السنة ومكانتها فی التشریع الاسلامی" میں لکھا ہے کہ

ہمارے اس زمانے میں جن لوگوں کو فن حدیث سے لگاؤ ہے ان میں سے بعض لوگ انکار حدیث کے درپے ہیں (۱۸) سید رشید رضا کے مجلہ "المنار" کے دو شماروں میں ڈاکٹر توفیق صدقی کے دو مقالے شائع ہوئے۔ ہیں جن میں "الاسلام هو القرآن وحده" یعنی اسلام صرف قرآن ہی ہے کہ عنوان سے اس نظریے کا اعلان کیا گیا ہے۔ (۱۹)

حوالہ جات

۱۔ الطبری - تاریخ الطبری - (کراچی - ۱۹۷۸ء) - ج ۲ - ص ۶۳

۲۔ العسقلانی، ابن حجر - لسان المیزان - (حیدرآباد - ۱۳۲۹ء) - ج ۲ - ص ۲۸۹

۳۔ ایضاً - ج ۳ ص ۲۸۶

۴۔ الطبری - تاریخ الطبری - (کراچی - ۱۹۷۸ء) ج ۵ - ص ۹۴

۵۔ القرآن - ۱۸ : ۵

۶۔ السباعی، مصطفی - السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی - (بیروت - ۱۹۷۸ء) ص ۱۲۷ تا ۳۳

۷۔ البخاری - الجامع الصحیح، کتاب التفسیر سورۃ الحشر، باب، ما آتاکم الرسول فخذوہ - × (لاہور - ۱۹۷۲ء)
ج ۲ - ص ۹۳۵

۸۔ القرآن - ۵۹ : ۷

۹۔ الحاکم، ابوعبداللہ عبداللہ - المستدرک - (حیدرآباد، دکن - ۱۳۴۲ھ) - ج ۱ ص ۲۵۸

۱۰۔ البخاری - الجامع الصحیح - کتاب، الحیض، باب، لا تقضی الحائض الصلوٰۃ، لاہور ۱۹۷۶ء ج ۱ - ص ۴۴

۱۱۔ السباعی - السنۃ ...... ص ۶ -

۱۲۔ الجزائری، طاہر - توجیہ النظر - (مصر - ۱۳۲۸ھ) ص ۷۷

۱۳۔ ابن حزم - احکام الاحکام - (کراچی - ۱۴۰۸ھ) - ج ۱ - ص ۱۱۹

۱۴۔ الآمدی - الاحکام فی اصول الاحکام - (بیروت - ۱۹۸۰ء) - ج ۱ - ص ۱۱۴

۱۵۔ الجوزی، ابن القیم - اعلام الموقعین - (قاہرہ - ۱۳۷۰ھ) - ج ۲ - ص ۲۱۷

۱۶۔ الحاکم - المستدرک - (حیدرآباد دکن - ۱۳۴۲ء) - ج ۱ - ص ۲

۱۷۔ السباعی - السنۃ ...... ص ۲۳۷ - (المکتب الاسلامی - بیروت ۱۹۸۵ء)

۱۸۔ ایضاً ...... ص ۳۰۴ تحذیر

۱۹۔ البنعلی، احمد ابن حجر - تحذیر المسلمین عن الابتداع والبدع فی الدین - دوحہ ۱۹۷۳ء
ص ۴۱ بحوالہ توفیق صدقی - الاسلام ھو القرآن وحدہ مجلہ المنار شمارہ ۷، ۲ -
ج ۹ -

جناب مولانا سید تصدق بخاری

مواخات کی تحقیقِ انیق

ادارتی نوٹ مضمون کے آخر ص۱۱۱ میں ملاحظہ فرمادیں

بعض کتب سیر میں مرقوم ہے کہ ہجرت کے بعد مدینہ میں جب نبی علیہ السلام نے مہاجرین وانصار میں مواخات قائم کی تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت علی المرتضیٰ کے مابین مواخات ہوئی تھی۔ جیسا کہ محمد بن اسحاق رحمہ اللہ کے حوالہ سے ابن ہشام وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ پیغمبر اسلام نے فرمایا۔

تاخوا فی اللہ اخوین اخوین۔ — اللہ کی راہ میں آپس میں بھائی بھائی ہوجاؤ۔

ثم اخذ بیدہ علی ابن ابی طالب، فقال ھذا اخی[1] — پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا یہ میرا بھائی ہے۔

وکان حمزۃ بن عبد المطلب اسد اللہ واسد رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم وزید بن حارثۃ مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخوین۔ والیہ اوصی حمزۃ یوم احد۔ — اور حضرت حمزہؓ شیر خدا اور شیر رسولؐ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت زید بن حارثہؓ کے مابین بھائی چارہ قائم کیا گیا تھا۔ اور غزوۂ احد سے قبل وصیت بھی حضرت حمزہؓ نے حضرت زید بن حارثہؓ ہی کو کی تھی۔

وجعفر بن ابی طالب ذوالجناحین ومعاذ بن جبل اخوین۔ — سیدنا جعفر طیارؓ بن ابو طالب اور حضرت معاذ بن جبلؓ دونوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا گیا تھا۔

قال ابن ہشام کان جعفر یومئذ غائبا بارض الحبشۃ۔ — ابن ہشام اور علامہ واقدی نے کہا حضرت جعفر طیارؓ ان دونوں مکہ سے غائب ارض حبشہ میں تھے۔

---

[1] درحقیقت مکہ مکرمہ میں جو مواخات ہوئی تھی اس میں نبی علیہ السلام اور حضرت علیؓ کے مابین مواخات ہوئی تھی۔ مدنی مواخات میں پہلے حضرت ابو امامہؓ کے درمیان پھر ان کی وفات کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت سہل بن حنیف رضؓ میں بھائی چارہ قائم ہوا تھا۔ کما سیاتی۔

انظر، سیرت ابن هشام السیرت النبویة لعلامه ابن کثیرؒ۔

اور وہ سنہ ۷ھ کے اوائل فتح خیبر کے دن نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ بایں وجہ علماء کرام کو اس میں کلام ہے اور روایت کی صحت و سند کا انکار کرتے ہیں۔

پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مہاجرین اور انصار میں مواخات قائم کی تھی نہ کہ مہاجر کو مہاجر کا بھائی قرار دیا تھا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی مہاجر اور حضرت علیؓ بھی مہاجر تھے اسی طرح سیدنا حمزہؓ اور سیدنا زید بن حارثہؓ بھی دونوں مہاجرین ہی تھے لہٰذا جس مواخات کا یہ ذکر ہے وہ مکہ مکرمہ میں مہاجرین صحابہ میں ان کے دشمنوں کے پیش نظر قائم کی گئی تھی چنانچہ معتبر بات یہ ہے کہ۔

قال ابوعمر آخی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین المهاجرین۔

ابو عمر نے کہا، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلی بار مکہ میں مہاجرین صحابہ کرام میں مواخات کرائی تھی۔

ثم آخی بین المهاجرین والانصار۔ انظر، الاستیعاب علی هامش الاصابۃ۔ ج ۱ ص ۳۵۔

پھر دوسری بار ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مہاجرین اور انصار رضی اللہ عنہم کے مابین مالی اعانت کے لیے مواخات کرائی تھی۔

علامہ واقدی حضرت حمزہؓ اور حضرت زیدؓ بن حارثہؓ کے متعلق لکھتے ہیں۔

وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم آخی بینهما حین آخی بین المهاجرین کتاب المغازی ج ۲ ص ۳۹۷۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مہاجرین میں مواخات کرائی تھی تو اس وقت حضرت حمزہؓ اور حضرت زید بن حارثہؓ میں بھائی چارہ قائم کیا تھا تاکہ حضرت حمزہؓ کی سرداری کے لحاظ سے کوئی دشمن ان کو گزند نہ پہنچا سکے اور مالی کفالت بھی ان کی ہوتی رہے۔

ملاحظہ ہو سیرۃ المصطفیٰ ج ۱ ص ۳۲۶ لعلامہ کاندھلویؒ[1]۔ بحوالہ فتح الباری۔

حضرت علیؓ بچپنے سے ہی نبی علیہ السلام کی کفالت میں رہے اور انہوں نے دار نبوت میں ہی پرورش پائی تھی۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں جا کر حضرت علیؓ کا بھائی چارہ پہلے حضرت ابو امامہؓ سے اور ان کی وفات کے بعد حضرت سہل بن حُنیفؓ سے قائم کیا گیا تھا۔

قال محمد بن کعب القرظی وهاجر

محمد بن کعب قرظیؒ نے کہا، حضرت علیؓ نے نبی علیہ السلام

---

[1] حضرت کاندھلوی روح اللہ روحہ نے سیرت ابن سید الناسؒ کے حوالہ سے مکی مواخات کا ذکر تو کر دیا ہے تاکہ لوگوں کی غلط فہمی دور ہو جائے۔ لیکن مدنی مواخات کو چھوڑ گئے۔

علی بعد خروج رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم من مکۃ وکان امرہ
بقضاء دیوانہ وردّ ودائعہ ثم
یلحق بہ فامتثل ما امر بہ ثم ھاجر
واٰخی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بینہ
وبین سہل بن حنیف۔
البدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۲۲۵۔

کے بعد مکہ سے ہجرت کی، نبی علیہ السلام نے حضرت علی
کو حکم فرمایا تھا کہ تم لوگوں کا لین دین اور امانتیں ادا کر
کے آنا پھر حضرت علیؓ نے آپ کا حکم پورا کرکے بعد
میں ہجرت کی اور پھر نبی علیہ السلام نے آپ کے اور حضرت
سہل بن حنیفؓ کے درمیان بھائی چارہ قائم فرما
دیا۔ اصل بات آگے آرہی ہے۔ محدث بصیر علامہ ابن حجرؒ
بھی یوں کے توں رقمطراز ہیں۔

سہل بن حُنیف بن وہب بن العکیم
بن ثعلبۃ بن الحرث الانصاری المتوفی ۳۸ھ
واستخلفہ علی علی البصرۃ بعد الجمل
ثم شہد معہ صفین ویقال آخی النبی
صلی اللہ علیہ وسلم بینہ وبین
علی ابن ابی طالب۔
انظر، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ج ۲ ص ۸۷

حضرت سہلؓ بن حنیف بن وہب بن عکیم بن ثعلبہ
بن حارث انصاری توفی ۳۸ھ۔
کو حضرت علیؓ نے جمل کے واقعہ فاجعہ کے بعد بصرہ
کا گورنر بنادیا تھا پھر وہ صفین میں بھی آپ کے
ہم رکاب تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے
حضرت سہل بن حُنیف اور حضرت علی رضی اللہ عنہما میں
مواخات قائم کردی تھی۔

مدینہ مکرمہ میں یہ مواخات مال سہولت کے لیے قائم کی گئی تھی تاکہ طرفین کے لیے آسانی پیدا ہو جائے۔ اور انصار صحابہ نے بے مثال ایثار و ہمدردی کا ثبوت پیش کیا۔ مثلاً
حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت سعد بن الربیع الانصاری رضی اللہ عنہما میں نبی علیہ السلام نے جب مدینہ منورہ میں بھائی چارہ قائم کردیا تو حضرت سعد نے حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف سے کہا اے میرے بھائی میں اہل مدینہ میں مال دار ہوں یہ میرا آدھا مال ہے اسے قبول کرلو اور یہ میری دو بیویاں ہیں آپ ان میں سے اپنی خدمت کے لیے ایک کا انتخاب کرلیجئے تاکہ میں اسے طلاق دے دوں اور پھر آپ اسے اپنے حبالۂ نکاح میں لے لیں۔

فقال لہ سعد ای اخی، انا اکثر
اھل المدینۃ مالاً، فانظر شطر مالی
فخذہ، وتحتی امراتان فانظر ایھما
اعجب الیک حتی اطلقھا۔ فقال۔

پھر سعدؓ نے عبدالرحمانؓ سے کہا اے بھائی میں اہل
مدینہ میں صاحب ثروت ہوں یہ دیکھو میرا آدھا مال
ہے اسے قبول کرلو اور میرے حبالۂ نکاح میں دو
بیویاں ہیں دیکھ لیجئے ان میں سے جسے آپ اپنی

عبد الرحمٰن بارک اللہ فی اھلک ومالک، دلونی علی السوق، فدلوہ، فذھب فاشتری وباع فربح الخ۔

السیرۃ النبویۃ ج ۲ ص۳۲۷ و ص۳۲۸

عیون الاثر ج ۱ ص۲۰۳

عورت کے لیے پسند فرمائیں تو میں اسے طلاق دے دیتا ہوں پھر آپ اس سے نکاح کرلیں۔ پھر حضرت عبدالرحمٰنؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کے اہل ومال میں برکت دے آپ مجھے بازار کا راستہ بتا دیں اس پر آپ کو بازار کا راستہ بتا دیا تو آپ نے بازار میں جاکر خرید وفروخت سے فائدہ حاصل کیا۔

تھوڑے ہی دنوں میں جب آپ اس تجارت سے آسودہ حال ہوگئے تو نبی علیہ السلام نے ایک ملاقات میں آپ سے فرمایا۔ مھیم؟ تمہارا کیا حال ہے؛ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ میں نے تو شادی بھی کرلی ہے۔ فرمایا مہر میں کیا دیا ہے؛ عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے عرض کیا کھجور کی گٹھلی کے برابر سونا دیا ہے۔ فرمایا۔ اولم ولو بشاۃ۔ ولیمہ کرو خواہ ایک بکری ہی ذبح کرلو۔

صحابہ کرام کی خود انحصاری اور آپس کی ایثار وہمدردی کی ایسی ہزاروں نہیں لاکھوں مثالیں کتب اسلامیہ میں موجود ہیں جن کی نظیر مذاہب عالم کے اکابرین چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی کہیں نہیں مل سکتی۔ کاش امت مسلمہ بھی ان کی اتباع کرکے اپنے دونوں جہاں سوار لیتی۔ اب مواخات کی مزید تفصیل ابن سید الناسؒ کی زبانی سنیئے۔

حضرت علامہ فتح الدین ابوالفتح محمد بن محمد بن محمد بن احمد بن عبد اللہ بن محمد بن یحییٰ بن محمد بن محمد بن ابی القاسم بن محمد عبد اللہ بن عبد العزیز ابن سید الناس بن ابی الولید بن منذر بن عبد الجبار بن سلیمان الیعمری الاندلسی الاصل المصری رحمہ اللہ المعروف بابن سید الناس ولد فی ذیقعدہ ۶۷۱ھ توفی شعبان ۷۳۴ھ۔

ارقام فرماتے ہیں۔

اصحاب رسولؐ میں مواخات دوبار ہوئی تھی پہلی بار مکہ مکرمہ میں کرائی گئی تھی جہاں کا بچہ بچہ صحابہ کرام کا دشمن تھا، تاکہ جن کے درمیان بھائی چارہ قائم ہوا ہے وہ ذمہ داری کے ساتھ ایک دوسرے کی معاونت اور خبر گیری کرسکیں اور کوئی واقعہ فاجعہ رونما ہو تو اس کی خبر اپنے مرکز تک پہنچا سکیں اس اجمال کی ایجاز واختصار کے ساتھ تفصیل بقرار ذیل ہے۔

مکی مواخات

وکانت المواخات مرتین الاولی بین المهاجرین بعضهم وبعض قبل الهجرت علی الحق والمواسات آخی بینهما النبی ؐ ۔

مواخات دو بار ہوئی تھی، پہلی مواخات مہاجرین کے مابین ہوئی تھی۔ نبی علیہ السلام نے ہجرت سے پہلے مکہ میں صحابہ کرام میں استحکامِ حق اور ایثار و ہمدردی کے لیے بھائی چارہ قائم کیا تھا۔

۱۔ فآخی بین ابوبکر و عمر۔

سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا گیا۔

۲۔ وبین حمزة و زید بن حارثة۔

حضرت حمزہؓ اور حضرت زید بن حارثہؓ میں اخوت قائم کی گئی۔

۳۔ وبین عثمان وعبدالرحمن بن عوف۔

حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف میں بھائی چارہ قائم کیا گیا۔

۴۔ وبین الزبیر[1] و ابن مسعود۔

حضرت زبیرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ دونوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا گیا۔

۵۔ وبین مصعب بن عُمیر وسعد بن ابی وقاص۔

حضرت مصعبؓ بن عمیر اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ میں بھائی چارہ قائم ہوا۔

۶۔ وبین ابی عبیدة وسالم مولی ابی حُذیفة۔

حضرت ابوعبیدہؓ عامر بن عبداللہ اور حضرت سالمؓ حضرت ابوحذیفہؓ کے غلام کے درمیان اخوت قائم کی گئی۔

۷۔ وبین سعید و طلحة بن عبید اللہ۔

حضرت سعیدؓ اور طلحہؓ میں بھائی چارہ قائم ہوا۔

۸۔ وبین علیؓ ونفسه صلی اللہ علیه وسلم

حضرت علی المرتضیٰ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں بھائی چارہ قائم کیا گیا۔

۹۔ وبین عبیدة بن حارث و بلال۔

حضرت عبیدہؓ بن حارث اور حضرت بلالؓ میں اخوت کا قیام ہوا۔

---

[1] لما آخی بین اصحابه بمکة قبل الهجرت آخی بین طلحة والزبیر۔ آخی النبی ؐ بین المهاجرین والانصار لما قدم المدینة فآخی بین طلحة وابی ایوب ۔ الاصابة ج ۲۔ ص ۲۲۹ ۔

مدنی مواخات

قال ابن اسحاق آخی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین اصحابہ من المہاجرین والانصار تآخوا فی اللہ اخوین اخوین۔

فلما نزل علیہ السلام المدینۃ آخی بین المہاجرین والانصار علی المواساۃ والحق فی دار انس بن مالک رضؓ، وکانت المواخات بعد بنائہ علیہ السلام المسجد وقد قیل کان ذلک والمسجد یُبنی۔

وقال ابو عمر بعد قدومہ علیہ السلام المدینۃ لخمسۃ اشہر۔

عن مکحول عن ابی امامۃ[1] قال لما آخی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین الناس۔

۱۔ آخی بینہ وبین علیؓ۔ وقیل کان عددہم مائۃ خمسین من المہاجرین وخمسین من الانصار۔

عیون الاثر ج ۱ ص ۱۹۹ ومابعد

امام مغازی محمد بن اسحاق رحمہ اللہ نے کہا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مہاجرین وانصار صحابہ کرام میں مواخات قائم کرنے کے لیے فرمایا، اللہ کی راہ میں دو دو آدمی بھائی بھائی بن جاؤ۔

پھر جب آپ نے مدینہ میں نزول فرمایا تو مہاجرین و انصار میں ایثار وہمدردی اور حق کی خاطر حضرت انس بن مالک رضؓ کے گھر پہ مہاجرین وانصار صحابہ میں بھائی چارہ قائم فرمایا۔ اور یہ مواخات مسجد نبوی کی تکمیل تعمیر کے بعد ہوئی تھی۔ اور کہا جاتا ہے کہ تعمیر مسجد کے دوران ہی عمل میں آئی۔

ابو عمر رضؓ نے کہا۔ نبی علیہ السلام کے مدینہ تشریف لانے کے پانچ ماہ بعد ہوئی۔

حضرت مکحول بن سہراب مفتی شام رحمہ اللہ توفی سنہ ۱۱۲ھ۔ حضرت ابو امامہ رضؓ توفی سنہ ۱ھ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے جب صحابہ کرام میں بھائی چارہ قائم کیا تو۔ حضرت ابو امامہؓ اسعد بن زرارہؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا تھا۔ اور کہا جاتا ہے، مواخات میں شامل حضرت کی تعداد ایک سو تھی۔ جن میں پچاس مہاجرین صحابہ کرام میں سے تھے اور پچاس انصار سے تھے۔

---

[1] اسعد بن زُرارۃ بن عدس ابن عبید بن ثعلبۃ بن غنم بن مالک ابن النجار الانصاری الخزرجی النجاری ابو امامۃ غلبت علیہ کنیتہ۔

آپ مواخات کے بعد فوت ہو گئے تھے اس لیے حضرت علیؓ کا حضرت سہل بن حُنیفؓ سے بھائی چارہ قائم کیا گیا تھا۔ اور حضرت ابو امامہ پہلے انصاری ہیں جو جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔ اور مہاجرین میں سے حضرت عثمان بن مظعون پہلے مہاجر ہیں جو جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

امام المفسرین و المؤرخین حضرت علامہ حافظ عماد الدین ابن کثیر علیہ سحائب الرحمت والرضوان ارقام فرماتے ہیں کہ مدنی مواخات میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سہل بن حنیف اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے مابین بھائی چارہ قائم کیا تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں کو ایک دوسرے کا بھائی بھائی اس وقت قرار دیا گیا تھا جب حضرت ابو امامہؓ کا انتقال ہو گیا تھا۔ کما مر۔

۲۔ فآخی ابو بکر بن ابی قحافۃ وخارجۃ بن زید بن ابی زھیر اخوین۔

پھر مدنی مواخات میں حضرت صدیق اکبر اور حضرت خارجہ بن زید بن ابی زہیر رضی اللہ عنہما کو آپس میں بھائی بھائی قرار دیا گیا۔

۱۔ وعمر بن الخطاب وعتبان بن مالک اخوین۔

اور سیدنا عمر بن خطاب اور عتبان بن مالک رضی اللہ عنہما میں بھائی چارہ قائم ہوا۔

۴۔ وابو عبیدۃ بن الجراح وسعد بن معاذ اخوین۔

ابو عبیدہ[1] بن جراح اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما میں بھائی چارہ قائم ہوا۔

وعبد الرحمن بن عوف وسعد بن الربیع اخوین۔

حضرت عبد الرحمن[2] بن عوف اور حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہما میں بھائی چارہ قائم ہوا۔

۶۔ والزبیر بن العوام وسلمۃ بن سلامۃ ابن وقش اخوین۔

حضرت زبیر[3] بن عوام اور سلمہ بن سلامہ ابن وقش کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا گیا۔

۷۔ وعثمان بن عفان واوس بن ثابت بن المنذر اخوین۔

حضرت عثمان بن عفان اور حضرت اوس بن ثابت بن منذر رضی اللہ عنہما میں بھائی چارہ قائم ہوا۔

۸۔ وطلحۃ بن عبیدۃ وکعب بن مالک اخوین

حضرت طلحہ بن عبیدہ اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہما میں اخوت قائم ہوئی۔

۹۔ وسعید بن زید وابی بن کعب اخوین۔

سعید بن زید اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما میں بھائی چارہ قائم کیا گیا۔

---

[1] مسند احمد میں حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابو عبیدہ بن جراح اور حضرت ابو طلحہ کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا گیا۔ السیرت النبویۃ ج ۲ ص ۳۲۶۔ [2] انظر۔ السیرت النبویۃ ج ۲ ص ۳۲۷۔

[3] ویقال بل الزبیر وعبد اللہ بن مسعود۔ ابن سید الناس ح ۱ ص ۲۰۱۔

۱۰۔ ومصعب بن عمیر، وابو ایوب خالد بن زید اخوین۔	مصعب بن عمیر اور ابو ایوب خالد بن زید رضی اللہ عنہما میں بھائی چارہ قائم کیا گیا۔
۱۱۔ وابو حذیفۃ بن عتبۃ وعباد بن بشر اخوین۔	حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ اور حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہما کے مابین بھائی چارہ قرار دیا گیا۔
۱۲۔ وعمار بن یاسر وحذیفۃ بن الیمان اخوین۔	حضرت عمار بن یاسر اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا گیا۔
۱۳۔ وآخی[له] النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین علی وبین سہل بن حنیف۔	نبی علیہ السلام نے حضرت علی اور حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہما میں بھائی چارہ قائم فرما دیا۔
۱۴۔ وطلیب ابن عمیر والمنذر بن عمرو اخوین۔	حضرت طلیب بن عمیر رضؓ اور حضرت منذر رضؓ بن عمرو میں بھائی چارہ ہوا۔
۱۵۔ وحاطب بن ابی بلتعۃ وعویم بن ساعدۃ اخوین۔	حضرت حاطب رضؓ بن ابو بلتعہ اور حضرت عویم بن ساعدہ میں اخوت قائم ہوئی۔
۱۶۔ وسلمان الفارسی وابو الدرداء اخوین۔	حضرت سیدنا سلمان فارسی رضؓ اور حضرت ابو درداء رضؓ کے درمیان بھائی چارہ قائم ہوا۔
۱۷۔ وبلال وابو رویحۃ عبد اللہ بن عبد الرحمٰن الخثعمی اخوین۔	حضرت بلال رضؓ اور حضرت ابو رویحہ رضؓ عبد اللہ بن عبد الرحمٰن خثعمی کو بھائی بھائی قرار دیا۔
۱۸۔ وبین ابی مرثد وعبادۃ بن الصامت۔	حضرت ابو مرثد اور حضرت عبادہ رضؓ بن صامت میں مواخات کرائی گئی۔
۱۹۔ وبین سعد وسعد بن معاذ۔	حضرت سعد رضؓ اور حضرت سعد رضؓ بن معاذ میں مواخات ہوئی۔
۲۰۔ وبین عبد اللہ بن جحش وعاصم ابن ثابت بن ابی الافلح۔	حضرت عبد اللہ بن جحش اور حضرت عاصم رضی اللہ عنہ بن ثابت بن ابی افلح میں بھائی چارہ قائم ہوا۔

[له] انظر البدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص۲۲۵ الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ج ۲ ص۸۶ کما مر۔

۲۱- وبین عتبۃ بن غزوان وابی دجانۃ۔

حضرت عتبہؓ بن غزوان اور حضرت ابو دجانہ (سماک بنؓ خراشہ) میں بھائی چارہ قائم ہوا۔

۲۲- وبین ابی سلمۃ بن عبد الاسد و سعد بن خیثمۃ۔

حضرت ابو سلمہؓ اور سعدؓ بن خیثمہ میں مواخات قائم کی گئی۔

۲۳- وبین عثمان بن مظعون وابی الھیثم بن التیہان۔

حضرت عثمان بن مظعون اور ابوؓ ھیثم بن تیہان میں بھائی چارہ قرار دیا گیا۔

۲۴- وبین عبیدۃ بن الحارث وعمیر[1] بن الحمام۔

حضرت عبیدہؓ بن حارث شہید بدر اور حضرت عمیر بن حمام شہید بدر میں بھائی چارہ قائم کیا گیا۔

۲۵- وبین الطفیل بن الحارث اخی عبیدۃ وسفیان بن نسر[2] بن زید من بنی جشم بن الحارث بن الخزرج۔

حضرت عبیدہؓ کے بھائی حضرت طفیلؓ بن حارث اور سفیانؓ بن بشیر انصاری خزرجی میں بھائی چارہ قائم ہوا۔ حضرت طفیل اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہما کے بھائی

۲۶- وبین الحصین اخیھما وعبد اللہ بن جُبیر۔

حضرت حصینؓ بن حارث اور حضرت عبد اللہ بن جُبیر میں بھائی چارہ ہوا۔

۲۷- وبین صفوان ابن بیضاء ورافع بن المعلی بن لوذان۔

اور حضرت صفوانؓ بن بیضاء اور حضرت رافعؓ بن معلی میں بھائی چارہ قائم ہوا۔

۲۸- وبین المقداد وابن رواحۃ۔

اور حضرت مقدادؓ اور حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا گیا۔

۲۹- وبین ذی الشمالین ویزید بن[3] الحرث من بنی حارثۃ۔

اور حضرت ذو الشمالینؓ اور یزید بن حارث جو بنی حارثہ میں سے تھے دونوں کے درمیان مواخات ہوئی۔

۳۰- وبین عمیر بن وقاص وخُبیب بن عبد اللہ بن عدی

حضرت عمیرؓ بن وقاص اور حضرت خُبیبؓ بن عدی میں بھائی چارہ قرار دیا۔

---

[1] عمیرؓ بن حمام غزوۂ بدر میں کھجوریں کھا رہے تھے کہ نبی ؐ سے جنت کی بشارت سن کر کھجوریں ہاتھ سے پھینک دیں اور میدان کارزار میں کود گئے اور لڑنا شروع کر دیا حتی کہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ السیرت النبویۃ ج ۲ ص ۲۱۴۔

[2] بالنون ذکرہ الامیر۔ وقال ابن اسحٰق، بن بشیر۔ وقال ابو معشر، بن بشر۔

[3] انظر۔ السیرت النبویۃ ج ۲ ص ۱۵۱۔

۳۱۔ وبین عبد اللہ بن مظعون وقطبۃ بن عامر بن حدیدۃ۔

حضرت عبداللہؓ بن مظعون اور حضرت قطبہؓ بن عامر بن حدیدہ بھائی بھائی بنے۔

۳۲۔ وبین شماس[1] بن عثمان وحنظلۃ بن ابی عامر۔

حضرت شماسؓ بن عثمان اور حضرت حنظلہؓ کے مابین بھائی چارہ قائم ہوا۔

۳۳۔ وبین الارقم بن ابی الارقم وطلحۃ بن زید۔

حضرت ارقمؓ بن ابوارقم اور حضرت طلحہؓ بن زید کے درمیان بھائی چارہ قائم ہوا۔

۳۴۔ وبین زید بن الخطاب ومعن بن عدی۔

حضرت زیدؓ بن خطاب اور حضرت معنؓ بن عدی میں بھائی چارہ ہوا۔

۳۵۔ وبین عمرو بن سراقۃ وسعد بن زید۔ من بنی عبد الاشہل۔

حضرت عمروؓ بن سراقہ اور حضرت سعد بن زید۔ جو بنی عبدالاشہل میں سے تھے دونوں میں بھائی چارہ ہوا۔

۳۶۔ وبین عاقل بن البکیر وبشر بن عبد المنذر۔

حضرت عاقل بن بکیرؓ اور حضرت بشر بن عبدالمنذر میں اخوت قائم کی گئی۔

۳۷۔ وبین عبداللہ بن مخرمۃ وفروۃ بن عمرو البیاضی۔

حضرت عبداللہؓ بن مخرمہ اور حضرت فردہؓ بن عمرو بیاضی میں مواخات ہوئی[2]

۳۸۔ وبین خنیس بن حذیفۃ والمنذر بن محمد بن عقبۃ بن اُحیحۃ بن الجلاح۔

حضرت خُنیسؓ بن حذیفہ اور حضرت منذرؓ بن محمد بن عقبہ بن اُحیحہ بن جلاح۔ دونوں کو ایک دوسرے کا بھائی بھائی قرار دیا گیا۔

۳۹۔ وبین سبرۃ بن ابی رُھم وعبادۃ بن الخشخاش۔

حضرت سبرہؓ بن ابی رہم اور حضرت عبادہؓ بن خشخاش میں مواخات ہوئی۔

۴۰۔ وبین مسطح بن اُثاثۃ وزید بن المزین۔

حضرت مسطحؓ عوف بن اُثاثہ بن عُباد بن مطلب بن عبدمناف بن قصیؓ۔

---

[1] شماس بن عثمان بن شرید بن ہرمی بن عامر بن مخزوم القرشی المخزومی۔ غزوہ احد میں شدید ترین زخمی ہو گئے تھے پھر ان کو اٹھا کر مدینہ منورہ میں لایا گیا اور ام المؤمنین سیدہ ام سلمہؓ کے پاس فوت ہو کر جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ الاصابۃ ج ۲ ص ۱۵۵۔

[2] انظر۔ عمدۃ القاری ج ۱۷ ص ۱۲۰۔

(المزین - بضم الميم ساكنة الزاى مفتوحة الياء)

وأمه سلمٰی[1] بنت صخر بن عامر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرۃ۔ توفی ۳۴ھ بعمر ۷۵ سال۔ اور زید بن مزین میں مواخات ہوئی۔

۴۱۔ وبین عکاشة بن محصن والمجذر بن ذیاد، حلیف الانصار۔

حضرت عکاشہ رض بن محصن اور حضرت مجذر بن ذیاد، حلیف انصار میں بھائی چارہ قائم ہوا۔

۴۲۔ وبین عامر بن فہیرة والحرث بن الصمة۔

حضرت حارث بن صمہ رض کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا گیا۔

۴۳۔ وبین مھجع مولی عمر وسراقة بن عمرو بن عطیة من بنی غنم بن مالک بن النجار۔

غزوہ بدر میں اسلام کے پہلے شہید حضرت عمر رض کے غلام حضرت مہجع رض اور حضرت سراقہ رض جو بنی غنم میں سے تھے۔ دونوں میں مواخات قائم کی گئی۔

وعند سنید ان المواخات کانت ابن مسعود ومعاذ بن جبل۔

سنید کے نزدیک حضرت عبداللہ بن مسعود رض اور حضرت معاذ بن جبل رض میں مواخات ہوئی تھی۔

۴۴۔ اُسید بن الحضیر بن سماك بن عتیك بن امرأ القیس بن زید بن عبد الاشہل الانصاری الاشہلی من السابقین الی الاسلام وھو احد النقباء[2] العقبة وکان اسلامه علی ید مصعب بن عمیر قبل سعد بن معاذ۔ توفی ۲۰ یا ۲۱ھ۔ حضرت اُسید بن حضیر رض ......

اور حضرت زید بن حارثہ رض کے بین (مدینہ میں) بھائی چارہ قائم کیا گیا تھا۔

وآخی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بینه وبین زید[3] بن حارثة۔

وکان ممن ثبت یوم احد وجرح حینئذ سبع جراحات - انظر سیرت ابن سید الناس ص۱۹۹ الی ج ۱ ص۲۰۳

حضرت اُسید ان صحابہ کرام میں سے ایک ہیں جو نبی علیہ السلام کے پاس اپنے قدم جمائے رہے احد میں آپ کو سات زخم آئے تھے۔

---

[1] طبقات۔ لابن سعد ج ۸ ص۲۲۸ پر شجرہ یوں مرقوم ہے - ام مسطح، سلمٰی بنت ریطة بن صخر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرۃ۔ ریطہ حضرت ابوبکر صدیق رض کی والدہ ام الخیر سلمٰی رض کی بہن تھی اور ام مسطح سلمٰی کے باپ کا نام ابی رھم بن مطلب بن عبد مناف تھا دیکھو ابن سعد ج ۳۔ ص ۲۱۶ - ۲۲۵ - ۲۱۴ -

[2] ع ق بفتحتین - اول دوم سو پر فتحہ ہے۔

[3] انظر۔ الاصابة فی تمییز الصحابة ج ۱ ص۴۹ ذکر سنید بن داؤد - ان زید بن حارثة واسید بن الحضیر اخوان -

ملحوظ :۔ مکی مواخات میں حضرت حمزہؓ اور حضرت زید بنؓ حارثہ میں مواخات تھی۔ حضرت حمزہؓ نے ایک خاص دینی مقصد کے تحت احد سے پہلے حضرت زیدؓ کے نام وصیت کی تھی۔ فافہم وتدبر۔

مفتی شام حضرت المحول روّح اللہ روحہ فرماتے ہیں مدنی مواخات میں سیدنا علی المرتضیٰ سے حضرت ابو امامہ اسعدؓ بن زرارہ کی مواخات کرائی گئی تھی۔ اور مفسر خبیر محدث بصیر مؤرخ بے نظیر سیرت نگار شہیر حضرت علامہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، مدنی مواخات میں حضرت علیؓ سے حضرت سہل بن حنیفؓ کی مواخات کرائی گئی تھی، اور اہل تناؔوہ[1] کہتے ہیں، نبی علیہ السلام اور حضرت علیؓ میں مواخات تھی، اس سے قاری کے ذہن میں الجھن کا پیدا ہونا لازمی ہے۔ یہ تو اوپر بتا دیا گیا ہے کہ مکی مواخات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ کے مابین مواخات تھی رہی مدنی مواخات اس کی بابت عرض ہے کہ مدینہ منورہ میں پہنچنے کے بعد نبی علیہ السلام نے حضرت علی اور حضرت ابوامامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہما میں مواخات کرائی پھر جب حضرت ابوامامہ فوت ہوگئے تو نبی علیہ السلام نے حضرت علیؓ کی دوسری مواخات حضرت سہل بن حنیفؓ سے کرائی تھی۔ چنانچہ مرقوم چلا آرہا ہے کہ۔

وهلك في تلك الاشهر ابو امامة اسعد بن زرارة والمسجد يبنى اخذته الذبحة او الشهقة ابن هشام ج ۱ ص السيرة النبوية ج ۲ ص ۲۲۹۔

ہجرت کے ابتدائی مہینوں میں حضرت امامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ فوت ہوگئے اور مسجد نبوی ابھی زیر تعمیر تھی، وہ ذبحہ یعنی خناق کے قسم کی بیماری یا شدید کالی کھانسی میں مبتلا تھے۔

حضرت علامہ عبدالبر نمیری قرطبیؒ تو فی ۴۶۳ھ بھی یوں کے توں رقمطراز ہیں۔

شهد العقبة الاولى والثانية وبايع فيهما وكانت البيعة الاولى في ستة نفر او سبعة والثانية في اثنى عشر رجلا والثالثة في سبعين رجلا ابو امامة اصغرهم۔ ذكر محمد بن عمر الواقدي عن عبد الرحمن بن ابي الرجال قال مات اسعد بن زرارة في شوال على راس ستة اشهر من الهجرة ومسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم

حضرت ابوامامہؓ عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانیہ میں موجود تھے اور دونوں میں انہوں نے نبی علیہ السلام کی بیعت کی تھی۔ پہلی بیعت کے وقت چھ یا سات آدمی تھے اور عقبہ ثانیہ میں بیعت ثانیہ کے بارہ آدمی تھے اور عقبہ ثالثہ میں ستہتر آدمیوں نے بیعت کی تھی۔ ابوامامہ اسعد بن زرارہ ان میں سب سے چھوٹی عمر کے تھے۔ ہجرت کے چھ ماہ بعد حضرت

---

[1] تناوہ مطالعہ کی ضد ہے۔

يُبنى يومئذ وذلك قبل بدر قال محمد بن عمرو دفن ابو امامة بالبقيع وهو اول مدفون به۔ الاستيعاب في معرفة الاصحاب۔ على هامش الاصابة ج ۱ ص۸۲ ۔

ابو امامہ ماہ شوال ۱ھ میں فوت ہوگئے۔ یہ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے۔ محمد بن عمروؓ نے کہا ابو امامہ جنت البقیع میں دفن ہونے والے پہلے انصاری ہیں۔ کمامر۔

علامہ ابن کثیرؒ نے۔ فی مواخاة النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین المهاجرين والانصار ليرتفق المهاجرين بالانصار۔ انظر السيرة النبوية ج ۲ ص۳۲۴ کا باب قائم کر کے صرف چند نام بتائے ہیں۔

اسی طرح علامہ ابن ہشام نے بھی مواخات کا باب تو قائم کیا ہے لیکن چند اسمائے گرامی بتانے پر اکتفا کیا ہے۔

علامہ ابن سید الناسؒ نے۔ ذکر المواخاة۔ کا باب قائم کر کے کہا ہے مواخات دو بار ہوئی تھی پہلی بار مکہ مکرمہ میں مہاجرین صحابہ کے درمیان۔ کما تقدم۔ اور دوسری بار مدینہ منورہ میں اور مواخات کے شرکاء کی تعداد ایک سو بتائی ہے لیکن نام بتاتے وقت سو کی تعداد پوری نہیں۔ چار اسمائے گرامی احقر الوری نے ڈھونڈ نکالے ہیں۔ خدا کرے کوئی صاحب کتب اسماء الرجال اور کتب سیر اور شروح احادیث کا تتبع کر کے اصل مواخات کے مزید اسمائے گرامی ڈھونڈ نکالنے میں کامیاب ہوجائیں۔

یہ کل اسمائے گرامی اٹھاسی بنتے ہیں اور اگر حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو بھی ملا لیجئے تو نوے ۹۰ ہوجاتے ہیں۔ گویا دس اسمائے گرامی کم از کم اور مطلوب ہیں۔

(ادارتی نوٹ)

مولانا سید تصدق بخاری، الحق کے خصوصی مضمون نگار اور علمی وتحقیقی اعتبار سے سباق الغایات ہیں ان کی تحقیقات نادر اور دلچسپ ہوا کرتی ہیں اُن کی آراء سے علمی حلقے اختلاف بھی کرتے ہیں اور اتفاق بھی، اُن کے مضامین سے بعض اوقات طویل مباحثے بھی چھڑ جاتے ہیں مندرجہ بالا مقالہ بھی ایک نئی تحقیقی کاوش ہے، اُن سے خالص علمی اور مستند حوالہ جاتی تحقیقی کاوش کی بھی اسی طرح قدر کی جائے گی۔ اور الحق کے صفحات کی زینت بنے گی اس طرح کے علمی مباحثوں سے علم وتحقیق کے کئی مفید گوشے سامنے آتے رہتے ہیں۔ (ادارہ)

شاہ بلیغ الدین

حضرت ابولبابہؓ

ارشاد ہوا کہ ــــــ نہ تم مجھ سے زیادہ پیدل چل سکتے ہو نہ میں تم سے زیادہ ثواب سے مستغنی ہوں ۔
اس لیے ہر ایک اپنی باری پوری کرے ۔ یہ ارشادِ نبویؐ اس وقت ہوا جب اہلِ ایمان رزم گاہِ بدر کی طرف رواں دواں تھے ۔ مجاہدین کے قافلے میں کل ستّر اونٹ ، دو گھوڑے تھے ۔ سواری اور باربرداری دونوں کے لیے انہی پر انحصار تھا ۔ یہ بڑی تنگی اور پریشانی کے دن تھے ۔ کون سی مشکل تھی جس سے مسلمان دوچار نہ تھے لیکن ان کے حوصلے کبھی پست نہ ہوتے ۔

مدینے سے بدر تک اسّی نوّے میل کا فاصلہ طے کرنا تھا ۔ فیصلہ ہوا کہ کچھ راستہ پیدل اور کچھ سواری پر طے ہو ۔ تین تین صحابہ کرامؓ کے حصے میں ایک اونٹ آیا ۔ حضرت ابولبابہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی جہاد پر نکلے تھے ۔ قسمت دیکھیے کہ انہیں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت کا شرف حاصل ہوا ۔ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیدل چلنے کی باری آتی تو شمعِ نبویؐ کے پروانے ہاتھ جوڑ کے کھڑے ہو جاتے ۔ عرض کرتے کہ ــــــ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ! ہماری باری نذر ہے ۔ آپؐ بیٹھے رہیں ۔ ہمارے لیے تو یہی سعادت ہے کہ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا شرف حاصل ہے لیکن اللہ کے رسولؐ تو عدل و انصاف کا نمونہ اور میزانِ الٰہی کے پابند تھے سو آپؐ وہی کرتے جو انصاف کا تقاضہ تھا ۔ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی باری ختم ہو جاتی تو دوسروں سے فرماتے کہ اپنے حق سے استفادہ کرو ۔ وابستگانِ دامنِ رحمت لاکھ اصرار کرتے لیکن آپؐ کسی کی حق تلفی روا نہ رکھتے ۔ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی اسوۂ حسنہ تھا کہ بیت المقدس کے سفر کے موقع پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے غلام کی باری کا برابر خیال رکھا ۔ تھوڑی دیر خود سواری کرتے اور تھوڑی دیر غلام سواری کرتا تو اونٹ کی نکیل تھام کر چلتے رہتے ــــــ یہی وہ ذہنی انقلاب ہے جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی ۔

بدر کے راہی چلتے رہے تو حضرت ابولبابہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک عجیب کیفیتِ روحانی

سے سرشار تھے۔ دو دن کے سفر کے بعد روحا نامی جگہ اسلامی فوج نے پڑاؤ ڈالا۔ یہاں ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو حکم ملا کہ ـــــ مدینہ لوٹ جاؤ! ابولبابہ رضؓ کی پریشانی دیکھنے کی تھی۔ کچھ معلوم نہ تھا کہ یہ حکم کس خطا کی پاداش میں صادر ہوا تھا۔ یوم الفرقان میں شرکت کی سعادت سے محروم ہو رہے تھے۔ اس لیے اور بھی بے تاب تھے کہ معلوم ہوا کہ یہ سزا نہیں جزا کی صورت ہے۔ اب وہ مدینے میں رہ کر مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں نماز پڑھائیں گے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غیاب میں اسلامی مملکت کے سربراہ کی حیثیت سے کام کریں گے۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ وہ بدر کی شرکت کا ثواب بھی لیں گے اور غنیمت کا حصہ بھی۔

غزوۂ بنی قینقاع اور غزوۂ سُوَیق کے موقع پر بھی اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں اپنا نائب مقرر فرمایا۔ یہ دونوں مواقع ۲ھ ہجری میں بدر کی لڑائی کے بالکل بعد ہی میسر آئے۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعلق قبیلۂ اوس سے تھا۔ مسعودی نے انہیں قبیلۂ خزرج کا لکھا ہے۔ وہ آخری بیعتِ عقبہ میں شریک تھے۔ ان کا نام نقیبانِ انصار میں شامل ہے۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ ہجرت سے پہلے ایمان لے آئے۔ آخری بیعتِ عقبہ میں اُنہیں نقیب بنایا گیا۔ لُبابہ بیٹی کا نام تھا۔ ان کا اپنا نام بشیر یا رفاعہ تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں انتقال ہوا۔ پسماندگان میں دو لڑکے تھے ـــــ سائب اور عبدالرحمٰن تمام مشاہد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے سات آٹھ دِن بڑے یادگار گزرے ہیں۔ یہ ایسے دِن تھے جب اُن کے پیروں میں زنجیر پڑی رہتی اور وہ مسجد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک ستون سے بندھے رہتے۔ صرف نماز اور طہارت کے لیے زنجیر کھول لیتے۔ ان کاموں سے فارغ ہوتے تو بیٹی سے فرماتے کہ ـــــ مجھے پھر سے باندھ دو! کھانا پینا بالکل چھوڑ دیا تھا۔ کمزوری اتنی بڑھ گئی تھی کہ زنجیر سے بندھے بندھے گر پڑتے تھے۔ مسلسل گریہ وزاری اور غذا چھوڑ دینے سے سماعت اور بصارت پر بھی اثر پڑا تھا۔ ہوا یہ تھا کہ ۵ھ ہجری میں بنی قینقاع کا محاصرہ کیا گیا۔ کیونکہ انہوں نے مسلمانوں سے کیا ہوا عہد و پیمان توڑ ڈالا تھا۔ بنی قینقاع اور بنی اوس میں بڑی دوستی تھی۔ اِس لیے اُن لوگوں نے حضرت ابولبابہ رضؓ کو اپنے پاس بلایا اور ان سے مشورہ کیا کہ حالات کے پیشِ نظر کیا فیصلہ کیا جائے؟ اسلام لانے کے بعد بنی قینقاع سے دوستی کا معاہدہ تو باقی نہ رہا تھا۔ پھر بھی پرانے تعلقات ایسے تھے کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں مشورہ دیا کہ ـــــ حکم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

فوراً مان لو ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قتل ہو جاؤ۔ گفتگو ختم ہوئی تو انہیں احساس ہوا کہ ان سے غلطی ہوئی۔ انہیں یہ نہ کہنا چاہیئے تھا کہ وہ قتل کر دیئے جائیں گے۔ یہ بات رازداری کے خلاف تھی۔ اگرچہ ان کا مقصد نیک تھا۔ لیکن پھر بھی یہ بات اصول کے خلاف تھی کہ حکومت کی آئندہ حکمت عملی کا تذکرہ فریق مخالف سے کر دیا جائے۔ انہیں اس بات پر اس درجہ ندامت ہوئی کہ خود ہی اپنے لیے سزا تجویز کی اور دن رات استغفار میں مشغول ہو گئے۔ کچھ دن اس حال میں گزرے تو صحابہ کرامؓ نے سارا قصہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہہ سنایا ارشاد ہوا کہ ـــــ جو کچھ ہوا ٹھیک ہوا لیکن اگر وہ میرے پاس آجاتے تو میں ان کے لیے بارگاہِ خداوندی میں استغفار کرتا!

حضرت ابولبابہؓ نے دل میں یہ بات ٹھان رکھی تھی کہ جب تک اللہ تعالیٰ توبہ قبول نہ کرے اسی طرح بندھے رہیں گے۔ روز بروز حالت غیر ہوتی جا رہی تھی۔ سات آٹھ دن گزرے تھے کہ قبولیت کی گھڑی آئی۔ رسولِ برحق ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کے حجرے میں تھے کہ حضرت ام سلمہؓ نے دیکھا کہ اللہ کے رسولؐ نزولِ وحی کے بعد مسکرانے لگے۔ ام المؤمنین نے کہا ـــــ یا رسولؐ اللہ! آپ ہمیشہ خوش و خرم رہیں لیکن یہ بتایئے کہ اس وقت مسرت کی کیا بات ہے؟ ارشاد فرمایا کہ ـــــ ابولبابہ کی توبہ قبول ہو گئی۔ توبہ میں جو آیتیں نازل ہوئی تھیں۔ ان کا مطلب ہے کہ ـــــ مسلمانو! تم اللہ و رسولؐ کے ساتھ خیانت کرو نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو۔ جب کہ تمھیں یہ بتا دیا گیا ہے ـــــ خوب سمجھ لو کہ تمھارا مال اور تمھاری اولاد تمھارے لیے آزمائش کا ذریعہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔ مسلمانو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو وہ تمھارے درجات بلند کرے گا اور تمھاری برائیاں دور کر دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا فضل کرنے والا ہے۔

لمحوں میں اس وحی کا حال مدینۃ النبیؐ کے گلی کوچوں میں عام ہو گیا۔ صحابہ کرامؓ میں جس نے یہ اطلاع سنی دوڑ کر مسجدِ نبویؐ پہنچا کہ اگر موقع ہو تو مل کر پہلے اپنے دوست کی زنجیر کھول دے۔ حضرت ابولبابہؓ نے اپنے تمام مہربانوں کا خیر مقدم کیا لیکن ان سے فرمایا کہ ـــــ جب تک اللہ کے رسولؐ خود تشریف لا کر مجھے آزاد نہ کریں گے یہاں سے نہ ہٹوں گا۔ صبح کی نماز ختم کر کے نبیؐ اللہ مسکراتے ہوئے آگے بڑھے اور اپنے مبارک اور مقدس ہاتھوں سے حضرت ابولبابہؓ کی زنجیر کھولی ـــــ یہ حضرت ابولبابہؓ کی زندگی کے سب سے زیادہ مسرت افزا لمحے تھے۔ شکر و امتنان کے جذبے سے سرشار ہو کر انہوں نے عرض کیا کہ ـــــ یا رسول اللہؐ! میں اپنا کل مال صدقہ کرتا ہوں۔ اپنا گھر بار سب کچھ چھوڑ کر اب میں آپؐ ہی کے پاس رہوں گا۔ مسند امام احمد بن حنبل میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ـــــ کل مال نہیں، ایک تہائی مال صدقہ کرو۔
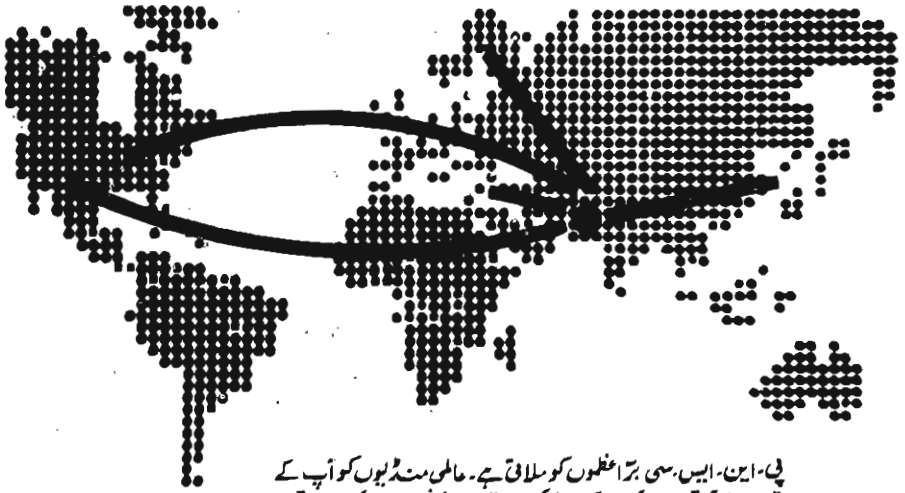
پی - این - ایس - سی برّاعظموں کو ملاتی ہے - عالمی منڈیوں کو آپ کے قریب لے آتی ہے - آپ کے مال کی بروقت، محفوظ اور باکفایت ترسیل برآمدکنندگان اور درآمدکنندگان، دونوں کے لئے نئے مواقع فراہم کرتی ہے۔

پی - این - ایس - سی قومی پرچم بردار - پیشہ ورانہ مہارت کا حامل جہازراں ادارہ، ساتوں سمندروں میں زواں دواں

قومی پرچم بردار جہازراں ادارے کے ذریعہ مال کی ترسیل کیجئے

پاکستان نیشنل
شپنگ کارپوریشن
قومی پرچم بردار جہازراں ادارہ

PNSC

آداب طعام اور ان کی معنویت

(سید جلال الدین عمری)

کھانے سے پہلے وضو

حدیث شریف میں آتا ہے۔

برکۃ الطعام الوضوء قبلہ والوضوء بعدہ[1]

کھانے کی برکت یہ ہے کہ اس سے پہلے بھی وضو ہو اور اس کے بعد بھی۔

کھانے سے پہلے وضو کا محسوس فائدہ یہ ہے کہ اس سے مونھہ اور ہاتھ جن سے کھانے میں مدد لی جاتی ہے دھل جاتے ہیں۔ یہ صحت کے پہلو سے ضروری ہے تاکہ غذا کے ساتھ گندگی پیٹ میں نہ جانے پائے، وضو میں بعض اور اعضاء بھی دھلتے ہیں ان کا بظاہر کھانے سے تعلق نہیں ہے یہ وہ اعضاء ہیں جو بالعموم کھلے رہتے ہیں اور کام کاج میں میلے ہوتے ہیں۔ ان کا دھونا مشکل نہیں ہے۔ وہ بھی اگر کھانے سے پہلے دھل جائیں تو ایک طرح کی تازگی اور نشاط کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، کھانے کی طرف رغبت بڑھتی ہے اور جسم پر اس کے خوش گوار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

وضو کا اصل فائدہ روحانی ہے۔ اس کے ذریعہ خدا سے تعلق پیدا ہوتا اور یہ احساس ابھرتا ہے کہ غذا سے ملنے والی طاقت و توانائی کو خدا کی عبادت میں صرف ہونا چاہیئے۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ کھانا اگر اس مقصد سے ہو کہ دینی کاموں میں استعانت حاصل کی جائے تو یہ عبادت ہے اس لیے اس کا حق ہے کہ نماز سے پہلے جس طرح وضو کیا جاتا ہے اسی طرح کھانے سے پہلے وضو کیا جائے[2]

---

[1] ابوداؤد، کتاب الاطعمہ، باب فی غسل الید قبل الطعام۔ امام ابوداؤد نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ امام ترمذی اس کے ایک راوی قیس بن ربیع کے بارے میں فرماتے ہیں۔ ویضعف فی الحدیث یعنی وہ روایت حدیث میں کمزور مانا جاتا ہے۔ الواب الاطعمہ، باب الوضوء قبل الطعام وبعدہ

[2] احیاء علوم الدین : ۳/۳

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر وضو کے کھانا تناول فرمایا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رض کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرورت سے فارغ ہوکر پہاڑ کی گھاٹی سے نکلے، ہمارے سامنے ڈھال پر کھجوریں رکھی تھی، ہم نے دعوت دی، آپ شریک ہوگئے اور پانی استعمال نہیں فرمایا[1]۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ہاتھ میں گندگی نہ ہو اور وہ صاف ہو تو کسی چیز کے کھانے کے لیے اسے دھونا ضروری نہیں ہے۔ بغیر ہاتھ دھوئے بھی کھایا جاسکتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رض فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حوائج ضروریہ سے فارغ ہوکر تشریف لائے، آپ کے سامنے کھانا پیش کیا گیا۔ وضو کا ذکر ہوا تو فرمایا کہ کیا مجھے نماز پڑھنی ہے کہ وضو کروں[2]۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ علماء کا اجماع ہے کہ (کھانے کے لیے وضو ضروری نہیں ہے) جس شخص کا وضو نہیں ہے وہ کھا پی سکتا ہے اس میں کوئی کراہت نہیں ہے[3]۔

اوپر کی جس حدیث میں کھانے سے پہلے وضو کا ذکر ہے اس کی سند کمزور ہے لیکن اگر اسے نظر انداز کر دیا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ بغیر وضو کے کھانا پینا ناجائز تو نہیں ہے البتہ وضو کو پسندیدہ یا مستحب کہا جاسکتا ہے۔ اس حدیث میں اور اس کے علاوہ بعض اور احادیث میں کھانے کے بعد بھی وضو کا ذکر ہے لیکن اس کی فقہی اور قانونی حیثیت کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ اس پر مضمون کے آخر میں کسی قدر تفصیل سے بحث آرہی ہے۔

کھانے کے بعد مونہہ اور ہاتھ صاف کرنا

کھانے کے بعد منہ اور ہاتھ کی صفائی ضروری ہے۔ ہاتھ صاف نہ ہو تو اس پر گندگی جمع ہوگی اور جلد متاثر ہوگی۔ منہ کی صفائی میں بے احتیاطی سے دانتوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اسلام ان سب باتوں کو اہمیت دیتا ہے۔ خاص طور پر رات کے کھانے کے بعد صفائی کے اہتمام کی تاکید کی گئی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رض کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان الشیطان حساس لحاس فاحذروہ علی انفسکم من بات وفی یدہ ریح غمر　　بے شک شیطان بڑا احساس اور چاٹنے والا ہے۔ جس شخص کے ہاتھ میں رات کو سوتے

---

[1] ابوداؤد، کتاب الاطعمہ، باب فی طعام الفجاء
[2] مسلم، کتاب الحیض، باب جواز اکل المحدث الطعام
[3] نووی، شرح مسلم ج ۲ جزء ۴ ص ۶۹

فاصابہ شیء فلا یلومن الا نفسہ[1] — وقت گوشت کی بو موجود ہوا ور اسے کوئی تکلیف پہنچے تو وہ اپنے آپ ہی ملامت کرے۔

اس میں کھانے کے بعد ہاتھ صاف کیے بغیر سونے سے منع کیا گیا ہے اور اس کے ممکنہ نقصان کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ کھانے کی بو ہاتھ میں رہ جائے تو کوئی کیڑا مکوڑا کاٹ سکتا ہے۔ اس طرح کی کوئی تکلیف پہنچے تو آدمی کو اپنے ہی اوپر ملامت کرنی چاہیے۔ اس لیے کہ یہ سراسر اس کی غفلت کا نتیجہ ہے۔ اس میں کسی اور کا دخل نہیں رہے۔ ہاتھ پر میل اور چکنائی کے جمع رہنے سے جراثیم پرورش پا سکتے ہیں۔ اس سے جلدی امراض کا خطرہ رہتا ہے۔

رات کو منہ ہاتھ دھو کر اور دانت صاف کر کے سونا طبی لحاظ سے کئی پہلوؤں سے مفید ہے۔ یہ شریعت کے منشا کے بھی عین مطابق ہے۔ ان احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے اس کی بہتر اور جامع شکل وضو ہے۔ حدیث میں اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ آدمی وضو کے ساتھ اور اللہ کا ذکر کرتے ہوئے سوئے[2]

---

[1] ابوداؤد، کتاب الاطعمہ، باب غسل الید من الطعام

[2] حضرت براء بن عازبؓ کی روایت ہے، کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اذا اتیت مضجعک فتوضأ وضوءک للصلوٰۃ ثم اضطجع علی شقک الایمن ثم قل اللھم اسلمت وجھی الیک والجأت ظھری الیک رغبۃ ورھبۃ الیک لا ملجا ولا منجا الا الیک اللھم امنت بکتابک الذی انزلت ونبیک الذی ارسلت فان مت من لیلتک فانت علی الفطرۃ واجعلھن اخر ما تتکلم۔ بخاری کتاب الوضوء باب فضل من بات علی الوضوء، مسلم کتاب الدعوات، باب الدعاء عند النوم۔ (اے اللہ میں نے اپنے آپ کو تیرا مطیع و فرمانبردار بنا دیا ہے اپنا معاملہ تیرے حوالہ کر دیا ہے، تجھ پر تکیہ اور بھروسہ کیا ہے۔ تیرے ثواب کی امید بھی ہے اور تیرے عذاب کا خوف بھی لگا ہے، تیرے سوا کوئی جائے پناہ اور کوئی جائے نجات نہیں ہے۔ پناہ ملے گی تو تیرے ہی دامن میں ملے گی۔ میں ایمان لاتا ہوں تیری اس کتاب پر جو تو نے نازل کی ہے۔ تیرے نبی پر جسے تو نے بھیجا ہے (فرمایا) رات میں تمہاری گفتگو اسی دعا پر ختم ہو۔ اگر اس رات میں تمہاری موت واقع ہو جائے تو تم فطرت یعنی اسلام پر مرو گے ایک روایت میں ہے کہ اگر تم زندہ اٹھے تو خیر (بھلائی) نصیب ہوگی۔ حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دعا کے کلمات دہرائے تاکہ وہ یاد ہو جائے۔ آخر میں "برسولک الذی ارسلت" کہا تو آپ نے فرمایا: نہیں "بنبیک الذی ارسلت" کہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو صحابہ کرامؓ حرز جان بنائے رکھتے تھے۔ اس روایت سے ضمناً یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بعض باتیں صحابہ کرامؓ کو اپنے خاص الفاظ میں بھی یاد کرائیں۔

تین انگلیوں سے کھانا

حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یأکل بثلاث اصابع ویلعق یدہ قبل ان یمسحہا[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین انگلیوں سے کھانا تناول فرمایا کرتے تھے اور اپنا ہاتھ (انگلیاں) صاف کرنے سے پہلے زبان سے چاٹ لیا کرتے تھے۔

طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ تین انگلیوں سے مراد انگوٹھا، انگشت شہادت اور درمیانی انگلی ہے[2]

یہ حدیث بتاتی ہے کہ کھانے میں ہاتھ کو کم سے کم آلودہ ہونا چاہیے۔ جو غذا تین انگلیوں سے کھائی جا سکتی ہے اس کے لیے پانچوں انگلیوں کا استعمال کرنا پاکی صفائی کے منافی ہے اور ذوق پر گراں گزرتا ہے۔

مسلم شریف میں اس مفہوم کی کئی روایتیں ہیں۔ ان کے ذیل میں امام نووی فرماتے ہیں کہ ان سے متعدد سنتوں کا ثبوت ملتا ہے۔ ایک بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ تین انگلیوں سے کھانا مستحب ہے۔ چوتھی اور پانچویں انگلی اس وقت استعمال کی جائے گی جب کہ ضرورت پیش آئے جیسے شوربا وغیرہ ہے کہ تین انگلیوں سے کھایا نہیں جا سکتا یا اسی طرح کا کوئی عذر ہو (جس میں تین سے زیادہ انگلیاں استعمال کرنی پڑتی ہیں[3])

دسترخوان کا استعمال

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں۔

ماعلمت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکل علی سکرجۃ قط ولا خبزلہ مرقق قط ولا اکل علی خوان قط قیل لقتادۃ فعلی ماکانوا یأکلون قال علی السفر[4]

مجھے نہیں معلوم کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی چھوٹے پیالہ میں کھانا کھایا ہو۔ آپ کے لیے کبھی پتلی اور نرم و ملائم روٹی تیار کی گئی ہو اور آپ نے کھائی ہو) اور آپ نے کبھی خوان استعمال کیا ہو۔ حدیث کے راوی حضرت قتادہ سے سوال کیا گیا کہ پھر کس چیز پر آپ اور آپ کے صحابہ کھانا کھایا کرتے تھے۔ فرمایا دسترخوان پر۔

---

[1] مسلم، کتاب الاشربہ، باب لعق الاصابع۔ ابوداؤد، کتاب الاطعمہ، باب فی المندیل

[2] فتح الباری: ۹/۵۷۹

[3] نووی: شرح مسلم ج ۵ جز ۱۳ ص ۲۰۳-۲۰۴

[4] بخاری، کتاب الاطعمہ، باب الخبز المرقق والاکل علی الخوان والسفرۃ۔ نیز ملاحظہ ہو، باب ماکان النبیؐ واصحابہ یاکلون۔

حدیث میں " سکرجۃ " کا لفظ آیا ہے، جو چھوٹے پیالے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کے عدم استعمال کے متعدد وجوہ بیان کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ آپ کے دور میں اس کا رواج نہ تھا۔ دوسری وجہ یہ بتائی جاتی ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتی ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتی ہے کہ اہل عرب اجتماعی طور پر اور مل جل کر ایک برتن میں کھانے کے عادی تھے۔ الگ الگ پیالوں میں کھانے کا رواج نہ تھا۔ ایک بات یہ بھی کہی گئی ہے کہ چھوٹے پیالے یا پیالیاں کھانے کے لیے نہیں بلکہ ایسی دواؤں یا جوارشات کے لیے استعمال کی جاتی تھیں جو ہاضم ہوں۔ وہ اس قدر پیٹ بھر کے کھانے کے عادی نہ تھے کہ ان کو دواؤں کی ضرورت پیش آتی[1]

حدیث میں کہا گیا ہے کہ آپ نے کبھی "خوان" استعمال نہیں فرمایا۔ "خوان اب ہر طرح کے دستر خوان کو کہا جاتا ہے لیکن یہاں ایک خاص قسم کے "خوان" کا ذکر ہے۔ اس کی شکل یہ تھی کہ تانبہ کے بڑے طبق یا سینی کو تانبہ ہی کی چوکی پر جڑ دیا جاتا تھا۔ اس پر پیالے ہوتے تھے تاکہ انواع و اقسام کے کھانے نکالے جاسکیں۔ یہ کافی بھاری ہوتا تھا ایک سے ایک سے دو آدمی اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے تھے[2]

اس طرح کے خوان، دنیا دار اور عیش پرست اصحاب ثروت استعمال کرتے تھے۔ آپ اور آپ کے صحابہ جس طرح کی زندگی گزار رہے تھے اس میں اس کی گنجائش نہ تھی۔ راوی حدیث قتادہ کہتے ہیں کہ وہ کھانے کے لیے "سفرہ" استعمال کرتے تھے۔ "سفرہ" عام دستر خوان کو کہا جاتا ہے۔ یہ بالعموم چمڑے کا ہوتا تھا۔ اسے فرش پر بچھا کر کھانا کھایا جاتا تھا۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کھانے کے لیے تپائی یا چوکی وغیرہ استعمال کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اس کا جواب امام غزالی نے یہ دیا ہے کہ کھانا زمین پر رکھ کر کھانا یا زمین پر دستر خوان بچھا کر کھانا سنت سے قریب ہے۔ اس میں تواضع اور خاکساری بھی ہے۔ لیکن " مائدہ " (تپائی) یا اس جیسی اونچی چیز پر کھانا ممنوع یا مکروہ نہیں ہے، اس لیے کہ اس کی ممانعت ثابت نہیں ہے۔ یہ بدعت بھی نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شروع ہوئی ہے، اسے بدعت نہیں کہا جاتا، بلکہ بدعت وہ ہے جو سنت ثابتہ کے خلاف ہو اور جو کسی امر شرعی کو ختم کر دے، جب کہ اس کی علت موجود ہو۔ بعض اوقات تو اسباب کے بدلنے پر نئی چیزیں ایجاد کرنی پڑتی ہیں "مائدہ" صرف اس لیے ہے کہ کھانے کو ذرا اونچا رکھا جائے تاکہ کھانے میں آسانی ہو۔ اس طرح کی چیزوں میں کوئی کراہت نہیں ہے[3]

---

[1] فتح الباری: ۹/۵۲۰

[2] عینی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری: ۱۴۰/۱۷

[3] احیاء علوم الدین: ۲/۲

اس سے میز کرسی پر کھانے کا بھی جواز نکلتا ہے۔

دانتوں سے نوچ کر گوشت کھانا

کھانا ہاتھ سے کھانا اور اس طرح کھانا کہ زیادہ سے زیادہ لعاب دہن اس کے ساتھ پیٹ میں پہنچے ہضم میں معاون ہے۔ احادیث میں اس کی طرف اشارے ملتے ہیں۔ حضرت صفوان بن امیہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انھسوا اللحم نھسا فانہ اھنأ وامرأ[1] — گوشت کو دانتوں سے نوچ کر کھاؤ اس لیے کہ یہ زیادہ لذیذ اور ہضم میں معاون ہوتا ہے

ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں:

کنت آکل مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فآخذ اللحم بیدی من العظم فقال ادن العظم من فیک فانہ اھنأ وامرأ[2] — میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانے میں شریک تھا اپنے ہاتھ سے گوشت کو ہڈی سے الگ کرکے کھا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا ہڈی کو اپنے منہ سے قریب کرو (اور دانتوں سے گوشت نکال کر کھاؤ) یہ زیادہ مزیدار اور ہضم میں بہتر ہے۔

یہ دونوں روایتیں سند کے لحاظ سے کمزور ہیں لیکن حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ابن ابی عاصم نے بھی اسے حضرت صفوان سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند حسن ہے[3]

اس کی حکمت واضح ہے۔ گوشت کو ہڈی سے دانتوں کے ذریعہ آسانی سے الگ کیا جا سکتا ہے اس کے علاوہ گوشت کو دانتوں سے نوچ کر کھانے میں دانتوں کا عمل بڑھ جاتا ہے اور لعاب دہن زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ نوک زبان پہلے ہی مرحلہ میں اس کی لذت بھی محسوس کرنے لگتی ہے۔

کھانے کے لیے چھری کا استعمال

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تقطعوا اللحم بالسکین فانہ — گوشت کو چھری سے کاٹ کر نہ کھاؤ اس لیے

---

[1] ترمذی، ابواب الاطعمہ، باب ماجاء انھشوا اللحم نھشا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس کے ایک راوی عبدالکریم پر محدثین نے جرح کی ہے۔

[2] ابوداؤد، کتاب الاطعمہ، باب فی اکل اللحم۔ امام ابوداؤد نے اس حدیث کو مرسل قرار دیا ہے۔

[3] فتح الباری: ۹/۴۵

من صنیع الاعاجم وانھسوہ فانہ اھنأ وامرأ[1] — کہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے بلکہ اسے دانتوں سے نوچ کر کھاؤ یہ زیادہ لذیذ بھی ہے اور جلد ہضم بھی ہوتا ہے۔

یہ حدیث کمزور ہے لیکن جہاں تک گوشت کو دانتوں سے نوچ کر کھانے کا تعلق ہے اس کی تائید اوپر کی احادیث سے ہوتی ہے البتہ چھری کے استعمال کی ممانعت صحیح روایات کے خلاف ہے۔ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں بکری کا شانہ تھا۔ آپ اسے چھری سے کاٹ کر تناول فرما رہے تھے کہ اتنے میں اذان ہو گئی۔ آپ نے چھری رکھ دی اور نماز کے لیے تیار ہو گئے۔ وضو نہیں فرمایا[2]۔

اس حدیث کے ذیل میں امام نووی فرماتے ہیں۔

اس میں گوشت کو چھری سے کاٹ کر کھانے کا جواز ہے۔ گوشت سخت ہو یا اس کا ٹکڑا بڑا ہو تو اس کی ضرورت پیش آتی ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ بلا وجہ چھری کا استعمال ناپسندیدہ ہے[3]۔

امام بغوی فرماتے ہیں۔

اہل علم نے اس بات کو پسندیدہ قرار دیا ہے کہ گوشت کو نوچ کر کھایا جائے اس میں تواضع اور کبر سے اجتناب اور دوری ہے۔ چھری سے کاٹ کر کھانا مباح ہے[4]۔

علامہ ابن حزم کی رائے اس کے خلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ چھری سے کاٹ کر گوشت کھانا پسندیدہ ہے۔ اسی طرح چھری سے کاٹ کر روٹی کھانا بھی ناپسندیدہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس سلسلہ میں کوئی صریح ممانعت نہیں آئی ہے[5]۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ کی روایت ہے کہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پنیر پیش کیا گیا۔ آپ نے چھری طلب فرمائی اور اللہ کا نام لے کر اسے کاٹا[6]۔

---

[1] ابو داؤد، کتاب الاطعمہ، باب فی اکل اللحم۔ امام ابو داؤد فرماتے ہیں یہ حدیث قوی نہیں ہے۔ امام نسائی فرماتے ہیں کہ اس کے ایک راوی ابو معشر نے بہت سی منکر احادیث روایت کی ہے یہ انہی میں سے ایک ہے۔ اس مفہوم کی ایک روایت طبرانی میں ہے لیکن اس کے ایک ایک راوی عباد بن کثیر کو محدثین نے ضعیف کہا ہے۔ عینی، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری: ۱۵۷/۲۱

[2] بخاری، کتاب الاطعمہ، باب قطع اللحم بالسکین۔ مسلم، کتاب الحیض، باب الوضوء مما مست النار

[3] شرح مسلم: جلد ۲ جزء ۴ ص ۴۴ [4] بغوی: شرح السنہ ۲۹۸/۱۱ [5] عینی: عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری: ۱۵۷/۲۱

[6] ابو داؤد، کتاب الاطعمہ، باب فی اکل الجبن۔

صفائی کے لیے صابن کا استعمال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک میں صابن کا ذکر نہیں ملتا۔ بعد میں اشنان کا استعمال شروع ہوا۔ اشنان ایک گھاس کا نام ہے جو صابن کی طرح میل کچیل دور کرتی اور کپڑے کو صاف کرتی ہے۔ کھانے کے بعد ہاتھ صاف کرنے کے لیے بھی اس کا استعمال ہوتا تھا۔ امام غزالی فرماتے ہیں ہاتھ صاف کرنے کے لیے اشنان کا استعمال بدعت یا ناپسندیدہ نہیں پسندیدہ ہے۔ اس لیے کہ نظافت کے لیے غسل مستحب ہے۔ اشنان سے یہ مکمل طریقہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں صحابہ کے دور میں اس کا استعمال نہیں ہوتا تھا اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ اس کے عادی نہ ہوں، یا یہ کہ یہ انہیں میسر ہی نہ رہی ہو اس کا بھی امکان ہے کہ وہ زیادہ اہم کاموں میں مشغولیت کی وجہ سے اس کی طرف توجہ نہ دیتے ہوں۔ ان کی زندگی سادہ تھی۔ کھانے کے بعد وہ ہاتھ اپنے بازوں اور پیروں پہ پھیر لیتے تھے[1]

تولیہ کا استعمال

امام غزالیؒ نے صحابہ کرامؓ کی سادگی کا جو ذکر کیا ہے اس کا ثبوت حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پکی ہوئی غذائیں ہم لوگوں کو کم ہی دستیاب تھیں، تولیہ کا استعمال بھی نہیں تھا۔ بخاری کی روایت ہے۔

قد کنا زمان النبی صلی اللہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پکے
علیہ وسلم لا نجد مثل ذلک	ہوئے کھانے کم ہی ملا کرتے تھے جب اس طرح کا
الطعام الا قلیلا فاذا نحن	کھانا مل جاتا تو ہمارے پاس ہاتھ صاف کرنے
وجدناہ لم یکن لنا منادیل	کے لیے تولیے نہیں ہوتے تھے۔ ہمارے تولیے،
الا اکفنا وسواعدنا واقدامنا	ہمارے ہاتھ، ہمارے بازو اور ہمارے پیر تھے
ثم نصلی ولا نتوضأ[2]	ان ہی پر ہاتھ پھیر لیا کرتے تھے، اس کے بعد
	نماز پڑھتے اور وضو نہیں کرتے تھے۔

ہو سکتا ہے ابتدائی دور میں یہ کیفیت رہی ہو یا اس کا تعلق ایسی غذا سے ہو جس میں تولیہ کے استعمال کی ضرورت نہ پیش آئے، اس لیے کہ حضرت جابرؓ ہی کی بعض دوسری روایات میں تولیہ کا ذکر ملتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کھاتے وقت لقمہ ہاتھ سے گر پڑے تو اسے صاف کر کے کھا لیا کرو۔ شیطان کے لیے اسے چھوڑ نہ دو۔

---

[1] احیاء علوم الدین: ۲/۳

[2] بخاری، کتاب الاطعمہ، باب المندیل۔

ولا یمسح یدہ بالمندیل حتی یلعق اصابعہ فانہ لا یدری فی ای طعامہ البرکۃ[1]	کوئی شخص اپنا ہاتھ رومال سے اس وقت تک صاف نہ کرے جب تک کہ وہ اپنی انگلیوں کو منہ سے چوس نہ لے۔ اس لیے کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے کھانے کے کس حصہ میں برکت ہے۔

امام نووی اس موضوع سے متعلق احادیث کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ ان سے بہت سی سنتوں کا ثبوت ملتا ہے

منہا جواز مسح الید بالمندیل لکن السنۃ ان یکون بعد لعقہا[2]	ایک بات یہ بھی نکلتی ہے کہ رومال سے ہاتھ پونچھنا اور صاف کرنا جائز ہے۔ لیکن سنت یہ ہے کہ یہ انگلیوں کو چوسنے کے بعد ہو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانے کے بعد صفائی کے لیے تولیہ کا استعمال ہوتا تھا، اس لیے اس کے جواز میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت فرمائی کہ جوٹھی انگلیوں کو چوسنے کے بعد تولیہ سے انہیں صاف کیا جائے تاکہ انگلیوں میں لگا ہوا کھانا ضائع نہ ہو اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ اسی میں اللہ نے برکت رکھی ہو۔ اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ سنا ہوا ہاتھ تولیہ سے صاف کیا جائے تو اس سے تولیہ زیادہ گندہ ہوگا۔ یہ تہذیب اور صفائی کے خلاف ہے۔ بہرحال اس سے ہاتھ صاف کرنے کے لیے تولیہ یا کسی بھی جاذب چیز کے استعمال کا ثبوت ملتا ہے۔

مرغن اور چکنی غذاؤں کے استعمال کے بعد صرف تولیہ یا جاذب کے ذریعہ منہ ہاتھ پوری طرح صاف نہیں ہوتے، اس کے لیے پانی کی ضرورت پیش آتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ کھانے کے بعد ہاتھ میں چکنائی یا گوشت کی بو نہیں ہونی چاہیئے۔ اور اس کے مضرات سے آگاہ کیا گیا ہے۔ ان دونوں طرح کی حدیثوں کے پیش نظر قاضی عیاض کہتے ہیں کہ تولیہ سے ہاتھ صاف کرنے کا جن احادیث میں ذکر ہے ان کا تعلق ایسے کھانوں سے ہے جن کے کھانے کے بعد ہاتھ دھونے کی ضرورت نہیں پیش آتی (مرغن غذائیں اس میں نہیں آتیں)، جیسے اگر گوشت کے کھانے سے چکنائی لگ جاتی ہے یا ہاتھ میں اس کی بو رہ جاتی ہے، ایسی صورت میں ہاتھ دھونے کی ترغیب ہے اور کہا گیا ہے کہ اس میں غفلت اور کوتاہی سے نقصان پہنچ سکتا ہے۔ (بقیہ صـ ۶۳ پر)

---

[1] مسلم، کتاب الاشربہ، باب استحباب لعق الاصابع ومصہا قبل ان یمسح بالمندیل۔ بخاری وغیرہ میں اسی کی ہم معنی روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے آئی ہے اس میں ہاتھ صاف کرنے کا تو ذکر ہے لیکن کا ذکر نہیں ہے البتہ امام بخاری نے عنوان میں مندیل کا لفظ استعمال کیا ہے، کتاب الاطعمہ، باب لعق صابع ومصہا قبل ان یمسح بالمندیل۔ یعنی تولیہ سے انگلیوں کو صاف کرنے سے پہلے انہیں چوس لیا جائے

[2] شرح مسلم ج ۵ جزو ۱۳ صـ ۲۰۴-۲۰۵)

محفوظ قابلِ اعتماد مستعد بندرگاہ

بندرگاہ کراچی

جہاز رانوں کی جنت

بندرگاہ کی خدمات کے جدید انداز کے ساتھ
عالمی تجارت کے لئے پُرکشش
پاکستانی معیشت کی تعمیر کے لئے کوشاں

ہماری کامیابیوں کی بنیاد

- انجنیئرنگ میں کمالِ فن
- جدید ٹیکنالوجی
- مستعد خدمات
- باکفایت اخراجات
- مسلسل محنت

۲۱ ویں صدی کی جانب رواں

بمع

جدید مربوط کنٹینر ٹرمینلز
نئے میرین پروڈکٹس ٹرمینل
بندرگاہ کراچی ترقی کی جانب رواں

KPT - 4 / 88. PID - Islamabad

جناب پروفیسر بہادر شاہ صاحب

پولینڈ اور اسلام

یہ ۱۳۹۷ء کی بات ہے جب پہلی بار تاتار مسلمانوں نے اس وقت کی عظیم پولش ریاست کو اپنے قدموں کا شرف اس وقت پولینڈ اور لیتھوانیا ایک ہی ریاست تھی اور پولینڈ لیتھوانیا کہلاتی تھی۔ یہ مسلمان لیتھوانیا میں تروکی (TROKI) اور ویلنیوس (VILNI NS) کے گرد نواح میں آباد ہوئے۔ یہ پولینڈ سے اسلام کا پہلا رشتہ تھا۔

مسلمانوں کی باقاعدہ بڑی آبادکاری اس وقت ہوئی جب توختامیش (TORKHTAMYSH) تیمور لنگ سے شکست کھانے کے بعد لیتھوانیا میں پناہ لینے پر مجبور ہوا۔ وہ تو کچھ عرصہ بعد اپنی ریاست (WHITE AND GOLDEN HORDE) واپس حاصل کرنے چلے گئے۔ مگر اس کا بیٹا جلال الدین یہیں پر قیام پذیر ہوا۔ کچھ عرصہ بعد انہوں نے بھی یہاں سے کوچ کیا۔ مگر بہت سے تاتار سپاہی اور معززین یہاں مستقل آباد ہو گئے۔ یہ مسلمانوں کی پہلی آبادی تھی۔ اس کے بعد دوسرے مسلمان ممالک سے پولینڈ اور لیتھوانیا میں مسلمانوں کی ہجرت جاری رہی۔ یہاں آذربائیجان اور ترکی سے بھی مسلمان آئے۔ لیکن تناسب کے لحاظ سے ان کی تعداد اتنی کم تھی کہ وہ اپنا علیحدہ تشخص برقرار نہ رکھ سکے اور تاتاریوں میں ضم ہو گئے۔

چونکہ مسلمان مختلف علاقوں سے یہاں آئے تھے۔ اس لیے ان کی زبانیں بھی مختلف تھیں نتیجتاً ایک دوسرے سے بات چیت کے لیے انہوں نے پولش زبان کا سہارا لیا۔ اور آہستہ آہستہ اپنی تاتاری زبانیں بھول گئے۔ یہی حال رہن سہن کے طریقوں کا رہا۔ اور یوں مسلمانوں کے لیے پولینڈ نے اپنی ہی سرزمین کا درجہ اختیار کر لیا۔ البتہ اسلام مسلمانوں کی معاشرتی زندگی اور شناخت رہی۔

ابتداء میں آبادکاری کا بہت آسان اصول تھا۔ پولینڈ، لیتھوانیا کے حکمران آبادکاری سمیت مسجد کی تعمیر اور مذہب پر عمل درآمد کی آزادی دیتے تھے اور اس کے بدلے مسلمان اپنے علاقوں میں فوجی خدمات انجام دیتے تھے۔ سترھویں صدی کے وسط میں تنخواہ دار فوج کے اجراء سے یہ اصول ختم ہوا۔ ویسے بھی ابتداء سے مسلمانوں نے اپنے آپ کو سپاہ گری تک محدود نہیں رکھا انہوں نے باغبانی، تکنیکی، ہنرمندی اور سفارت کاری کے خصوصاً مسلمان ممالک میں خدمات بھی انجام دیں۔

جوں جوں مسلمانوں کی تعداد بڑھتی رہی مسلمان تروکی اور ویلنیوس کے آگے بڑھ کر موجودہ تمام BYELORUSSIA اور بیالوسٹاک BIAY SROK کے مشرقی علاقوں میں پھیل گئے۔ یکساں گروہوں پر مشتمل

مسلمانوں نے یا تو اپنی علیحدہ آبادیاں بسالیں۔ یا پھر آباد قصبوں اور شہروں میں ایک ہی گلی یا محلہ میں رہنے لگے۔ ایسی آبادیوں یا محلوں کے سروں پر بالعموم مساجد اور قبرستان ہوا کرتے تھے۔ ہر مسجد کے ساتھ ایک امام کا گھر ہوتا تھا۔ مسجد کے ساتھ اپنا موقف ہوتا تھا۔ بالعموم یہ زرعی زمین کی صورت میں ہوا کرتا تھا۔ اور اس کی آمدنی سے مسجد کے اخراجات اور امام کی تنخواہ ادا کی جاتی تھی۔ ہر مسجد کے ساتھ سکول ہوا کرتا تھا۔ جس میں امام یا مذہبی استاد جسے ہوجا (HOJA) کہا کرتے تھے۔ بچوں کو مذہبی تعلیم دیتا تھا۔ اس معلم کو تنخواہ مسلمانوں کی جماعت (COMMUNE) جسے "جمعیت" کہتے تھے ادا کرتی تھی۔ جمعیت مسجد کے گرد نواح میں بسنے والے مسلمانوں پر مشتمل ہوا کرتی تھی۔ یہ تنظیم اپنے بنائے ہوئے قواعد وضوابط کے مطابق چلتی تھی۔ امام کا انتخاب، "ہوجا"، کا تقرر۔ تنازعات میں تصفیے اور زندگی کے عمومی اور خصوصی مسائل کا حل اس کی ذمہ داریوں میں شامل تھا۔

۲۰ ویں صدی تک پولینڈ میں مسلمانوں کی کوئی ملک گیر تنظیم نہیں تھی۔ البتہ جمعیتیں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کیا کرتی تھیں۔ مگر ہر ایک اپنے معاملات میں خود مختار ہوا کرتا تھا۔ اٹھارویں صدی تک مسلمان مذہبی معاملات میں استنبول کے مفتی کو رجوع کرتے تھے۔ مگر پولینڈ کی تقسیم کے بعد زار روس نے پولش مسلمانوں کو کریمیا کے مفتی کے تابع کیا۔ جو صدی سے زیادہ ان کا مفتی رہا۔ پھر بھی مسلمان خلافت عثمانیہ کو اپنا محافظ اور مسلمانوں کا راہبر سمجھتے تھے ترک عثمانی روایات نے پولش مسلمانوں پر ایسا گہرا اثر چھوڑا کہ عثمانیوں کی روایات کے نشان ابھی تک ملتے ہیں۔

جب پولینڈ دنیا کے نقشے سے مٹ گیا تھا مسلمانوں نے روسی تسلط کے اس دور میں بھی اپنی مذہبی اور سیاسی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ ۱۹ ویں صدی کے اختتام اور ۲۰ ویں صدی کے آغاز میں تاتار مسلمانوں کے اندر اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے جذبے نے زور پکڑا۔ جمال الدین افغانی کے پان اسلامزم PAN ISLAMISM کا نظریہ بہت مقبول ہوا اور یہاں کے مسلمان اپنے مسائل سے آگے بڑھ کر بین الاقوامی مسائل میں بھی دخل دینے لگے۔ ۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۰ء کے درمیان روس کے اس وقت کے دارالخلافہ پیٹرزبورغم PETERDOROUBH میں پولش مسلمانوں نے ایک زیر زمین علمی سرکل قائم کیا۔ اس کا کام تاتار مسلمان روایات کو برقرار رکھنا تھا۔ یہ تنظیم دوسری جنگ عظیم تک جاری رہی۔

انقلاب روس کے بعد اشتراکیوں نے نہ صرف مسلمان ریاستوں کو ختم کیا۔ بلکہ یہاں سے اسلام کا خاتمہ کرنے کے لیے مسلمانوں کا قتل عام بھی کیا۔ جو بچ گئے ان کو علاقہ بدر کیا۔ اکثریت کو سائیبریا بھیج دیا۔ اذیتی کیمپوں میں بربریت کے وہ مظاہر رونما ہوئے کہ انسانیت کو بیان کرتے ہوئے شرم آتی ہے مسجدوں کو مسمار کیا گیا یا اس کو دوسرے مقاصد کے لیے استعمال کرنے لگے۔ تہذیبی مراکز کو ختم کیا گیا۔ روسیوں کی مسلمان علاقوں میں آبادکاری کی۔ مسلمانوں کو عیسائی بننے پر مجبور کیا گیا اور ہر لحاظ سے مسلمان تیسرے درجے سے بھی کم تر شہری بن گئے۔ اور ہر لحاظ سے اسلام کا نام نشان ختم کرنے کی کوشش کی گئی مگر جیسے وہاں کے مسلمانوں نے اپنے وجود کا ثبوت دیا اس زمانے میں پولش مسلمانوں نے

اپنے دینی احیاء کی جدوجہد جاری رکھی۔

دوسری جنگ عظیم سے پہلے پولینڈ میں ۱۷ مساجد، ۲ عبادت گاہیں، ۱۹ جمعیت، ایک مفتی، بہت سارا ذخیرہ۔ ۲۶ امام و موذن اور ہو جا موجود تھے۔

۱۹۳۹ء کے بعد دوسری جنگ عظیم میں جب روسی فوجیں پولینڈ میں داخل ہوئیں تو یہاں بھی بڑے پیمانے پر مسلمان قتل ہوئے۔ مسجدوں کی مسماری اور مذہبی زندگی کی تباہی کا آغاز ہوا۔ ۱۹۴۵ء میں جب پولینڈ کی نئی سرحد کا تعین ہوا تو موجودہ پولینڈ میں صرف ۲ مساجد رہ گئی تھیں، اور تاتار مسلمان کے جوہر قابل اور معززین جن میں ڈاکٹر، وکیل اور ادیبوں کی ایک بڑی تعداد شامل تھی کو یا تو قتل کر دیا گیا، یا ان کو ملک کے غربی علاقوں میں علاقہ بدر کیا گیا۔ جہاں ان کی بقیہ زندگی تنہائی اور گمنامی میں باقی مسلم معاشرے سے کٹ کر گزری۔

مسلمان علماء نے یہاں بہت علمی کام کیا تھا۔ تفاسیر لکھی گئی تھیں۔ احادیث کے مجموعے مرتب کئے گئے تھے۔ اسلامی تاریخ لکھی گئی تھی۔ ان میں سے اکثر کتابیں قلمی نسخوں کی صورت میں تھیں۔ اس تمام علمی ورثہ کو اشتراکی فوجوں نے یا تو سگریٹ بنا بنا جلایا اور یا بے رحم ہواؤں میں بکھیر کر ضائع کر دیا۔ نہ صرف تمام علمی خزانہ تباہ ہوا بلکہ قرآن مجید کے بے شمار نسخے شہید کر دیئے گئے اور ایک منظم کوشش کے تحت مسلمانوں کو اپنے ماضی۔ علمی سرمایہ اور جوہر قابل سے محروم کیا گیا اور اسلامی تہذیب و ثقافت کی ہر بنیاد کو ڈھایا گیا۔

گو کہ پہلے ریاستی سربراہ فرسٹ مارشل پیوسودکی Pisudski کے دنوں میں مسلمانوں کو کچھ سکون ملا کیوں کہ بہت سارے مسلمان معززین اس کے دوست تھے اور پولینڈ کی آزادی کے لیے اس کے شانہ بشانہ لڑے تھے۔ مگر اس کے بعد کمیونزم کا وہی رنگ رہا۔ ویسے بھی اشتراکی فوجوں نے دوسری جنگ عظیم کے دوران قتل عام، علاقہ بدری اور ظلم و ستم سے مسلمانوں کی کمر توڑ دیا تھا۔ مسلمانوں کی ترقی کی قوت اور حوصلہ جواب دے چکی تھی۔ ایسے میں کمیونزم کے ناسازگار ماحول میں ایک لمبے عرصے تک مسلمان کوئی مذہبی یا تہذیبی سرگرمی نہ کر سکے۔ صرف گڈانسک کی مسجد کی تعمیر۔ وارسا میں مسجد کی تعمیر کا ارادہ اور بیاؤی سٹاک کی مسجد۔ اسلام کے نام اور جذبہ کو زندہ رکھے ہوئے تھی۔

وقت کے ساتھ اسلام ..... اپنوں کے ہاں .... ظلم و جبر کے ہاتھوں۔ اجنبی بنتا گیا اور اب پچھلی دہائی میں جب پولینڈ سے اشتراکیت بے عزتی سے نکل گئی تو معلوم ہوا کہ اب بھی یہاں ۵ ہزار سے زیادہ مسلمان سرکار کے کھاتے میں اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے تھے۔ مگر ان میں سے اکثریت کو بس اتنا معلوم ہے کہ وہ مسلمان ہیں۔ کلمہ پڑھنا تک ان کو نہیں آتا خصوصاً جو نسل ۱۹۴۰ء کے بعد پروان چڑھی ہے انہیں کسی چیز کا پتہ نہیں اور پتہ لگے بھی کیسے۔ جہاں کچھ اسلام باقی ہے خصوصاً بوڑھے اور پختہ عمر کے لوگوں میں وہ بیچارے بھی بس جمعہ کو باجماعت نماز پڑھتے ہیں۔ گو کہ یہاں سارے مسلمان سنی اور حنفی مسلک سے تعلق تھے، مگر اب ان کو رکعات

کی تعداد کی شاید نماز کے اوقات بھی بھول گئے ہیں۔ چند ہی خوش قسمت ہیں جن کے پاس قرآن مجید کا عربی نسخہ ہوگا۔ ورنہ سرکار کے زیر نگرانی ترجمہ قرآن مجید ملتا ہے۔ جس کے مندرجات کا اندازہ آسانی سے لگایا جاسکتا ہے۔ رمضان کے روزے رکھنے کا رواج بھی ہے اور ستائیسویں کی شب اجتماعی تراویح پڑھتے ہوئے بھی مسلمانوں کو دیکھا ہے۔

یہ تمام مایوس کن صورتحال اپنی جگہ ..... مگر تاتاری مسلمانوں کی اب بھی داد دینی پڑتی ہے کہ انہوں نے اسلام کو اس مشکل میں بھی کسی نہ کسی صورت زندہ رکھا۔ اس غیور قوم نے جہاں ابتداء میں مسلمانوں کے علمی خزانوں کو نذر آتش کر کے مسلمانوں کے سروں کے مینار تعمیر کر کے مراکز اسلام کو ختم کیا۔ وہاں خود مسلمان ہو کر اس سے کئی گنا زیادہ مظالم اسلام کی خاطر برداشت کئے۔ روس میں یہ سلسلہ ظلم و جبر آج بھی جاری ہے، مگر یہاں کے مسلمان اب پر سکون زندگی کی جانب قدم بڑھا رہے ہیں۔

بیاڈی سٹاک اور گدانسک کی مساجد ایک عرصہ ہوا دوبارہ آباد ہو گئی ہیں۔ بیاڈی سٹاک میں جہاں مسلمانوں کی آبادی نسبتاً زیادہ ہے۔ وہاں کی چھوٹی سی خوبصورت مسجد میں (یمنی) طلبہ نے اسلامی مدرسہ قائم کیا ہے۔ جہاں پچھلے سال ۴۰ طلبہ قرآن۔ حدیث۔ فقہ کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ بچوں کے درس روزانہ ہوتے ہیں۔ جب کہ والدین ہفتہ میں ایک دن آتے ہیں اور یوں روزانہ مسجد کھلی رہتی ہے۔ نمازیں بھی ادا ہوتی ہیں، اور قرآن مجید کے کئی نسخے بھی وہاں موجود ہیں۔ گدانسک کی مسجد ویسے تو کافی عرصہ پہلے سے کھلی تھی مگر سرکاری طور پر باقاعدہ اس کے کھولنے کی تقریب بھی پچھلے سال منعقد کر دی گئی۔ یہاں جمعہ کے علاوہ روزانہ تین نمازیں بھی باجماعت ادا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہاں یہ کام اتحاد الطلبہ المسلمین کے طالب علم کرتے ہیں۔ لیکن ان سب سے بڑھ کر وارسا میں ایک عرصے سے مسجد کی تعمیر کا خواب شرمندہ تعبیر ہوا۔ اس سال رمضان المبارک میں ایک چہار منزلہ عمارت خریدی جو اسلامی مرکز ISLAMIC CENTRE کے نام سے موسوم ہوئی۔ اب اس میں جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہے اور ہفتہ اتوار کو بھی یہاں نمازیں باجماعت ادا کی جاتی سکتی ہیں۔ باقاعدہ امام کے تقرر کے بعد انشاء اللہ یہاں پنج وقتہ نمازیں شروع ہوں گی۔ مستقبل میں اس کے ساتھ ملحقہ زمین پر مسجد کی تعمیر کا منصوبہ ہے۔ جب کہ یہ عمارت اسلامی لائبریری، اسلامی مدرسہ اور تہذیبی مرکز کے طور پہ کام آئے گا اور انشاء اللہ اسلامی تہذیب کے احیاء اور ترویج میں اہم کردار ادا کرے گا۔ یہ بات بھی شاید باعث دلچسپی ہوگی کہ وارسا میں باقاعدہ جمعہ کی نماز کی ادائیگی کا نظام پاکستانی قونصل خانہ (اس وقت سفارت خانہ نہیں تھا) کے ایک باعزم قونصلر کے ہاتھوں اشتراکی دور ہی میں شروع ہوا تھا۔ مگر پھر یہ خدمت پاکستان کے ہاتھوں سے نکل کر مصر کے ہاں گئی۔ مصری سفارت خانے میں پھر جمعہ ادا ہوتے لگا اور یہ سلسلہ نئے اسلامی مرکز کے قیام تک جاری رہا۔ اب بھی سفیر مصر اس قائمہ کمیٹی کے صدر ہیں جو مسجد کا انتظام چلاتی ہے۔

پولش مسلمانوں کی اپنی ایک تنظیم POLISH MUSLIM ASSOCIATION کے نام سے قائم ہے۔ جو پولش مسلمانوں کے مسائل کے حل اور دلچسپیوں کا تحفظ کرتی ہے۔

پولش مسلم ایسوسی ایشن نے جہاں ایک جانب پچھلے سال عید الفطر کی نماز میں پولش ٹی وی پر اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ پر مذمتی قرارداد منظور کروائی۔ وہاں عیدین پر غیر ملکی مسلمانوں کی اچھی تواضع بھی کروائی۔ وارسا میں اس تنظیم نے مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ قبرستان حاصل کیا اور اب جنازگاہ کی تعمیر کا منصوبہ ہے۔ اسلامی مرکز کی خریداری اور اس کا انتظام بھی یہی تنظیم کرواتی ہے ...... مالی تعاون رابطہ عالم اسلامی کا ہے۔

اسلام کی ترویج کے لیے اتحاد الطلبۃ المسلمین (اخوان کے زیر اثر عرب مسلمان طلبہ کی تنظیم) مناسب جدوجہد کر رہی ہے تینوں مساجد بنیادی طور پر ان کی وجہ سے آباد ہیں۔ رفاہی اور سماجی خدمات بھی انجام دیتے ہیں۔ اور زکوٰۃ و صدقات کی رقوم سے پولش غریب مسلمانوں کی اعانت بھی کرتے ہیں۔ تبلیغی جماعت بھی سرگرم عمل ہے۔ پچھلے دو سالوں میں چالیس چالیس دنوں کے لیے پاکستان سے دو اور برطانیہ سے ۴ جماعتیں آئی ہیں۔ مگر یہ کام بہت بڑا ہے۔ بھولا ہوا سبق یاد دلانا اتنا آسان نہیں۔ خصوصاً عیسائیت کے وسیع پرچار اور گمراہی کے آخری کنارے پر پہنچے ہوئے معاشرے میں جہاں اچھے بھلے مسلمانوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں ...... یہ اس وقت کی اسلامی تحریکوں کے لیے ایک چیلنج ہے ..... کوئی ہے ..... جو اس پر لبیک کہے۔

کیوں کہ قادیانی یہاں پچھلے سال سے پہنچ چکے ہیں۔ ان کا مرکز بھی قائم ہے اور کتابیں بھی سٹالوں پر ملنے لگی ہیں ..... رابطے بھی کر رہے ہیں۔

نوٹ:۔ مضمون کا کچھ حصہ SALIM CHAZDIJEWICS کے مضمون MUSLIM IN POLAND سے اخذ کیا گیا ہے ..... جس کے لیے میں پولش مسلمانوں کے مجلہ ISLAMIC LIFE کا شکر گزار ہوں۔ (بقیہ صفحہ ۵ سے)

حافظ ابن حجرؒ اس پر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا منشا یہ ہے کہ کھانے کے بعد جوٹھی انگلیوں کو جب تک چوس نہ لیا جائے انہیں دھویا نہ جائے یا تولیہ سے صاف نہ کیا جائے، تاکہ جس برکت کا ذکر ہوا ہے وہ حاصل ہو۔ حدیث میں صراحت ہاتھ کے دھونے یا تولیہ سے صاف کرنے کی نہیں جوٹھی انگلیوں کے چوسنے کی ہے۔ ہاں بعض اوقات انگلیوں کے چوسنے کے بعد ہاتھ دھونا پسندیدہ ہوگا تاکہ کھانے کی بو زائل ہو جائے۔ قاضی عیاض نے جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے وہ اسی پر محمول کی جائے گی۔[۱]

کھانے کے بعد انگلیوں کو چوسنے کا حکم اپنی جگہ ہے۔ اس کے بعد ہاتھ کبھی تولیہ یا جاذب سے صاف ہو سکے گا اور کبھی اس کے لیے پانی کی ضرورت ہوگی۔ جہاں پانی کی ضرورت ہو صفائی کا تقاضا ہے کہ اسی سے صاف کیا جائے۔ صفائی کے لیے، جیسا کہ عرض کیا جا چکا اشنان اور صابن کا استعمال بھی جائز ہے۔ اس پر مزید بحث آگے آرہی ہے۔

REGD. NO. P-90